مدیران

مدیران کی فہرست

خصوصی شکریہ برائے تعاون:

مائیک ڈوبے

کنک مانی ڈِکشٹ

ایما میکنزی

سوکمار مرلی دھرن

کرس وارن

ایکو مریادی

ڈیزائن: شہزاد اشرف

پرنٹرز: مبین پرنٹرز، 0300-5252897

تاریخ اشاعت: اپریل، 2013

انٹرنیشنل فیڈریشن آف جرنلسٹس (آئی ایف جے) ایشیاء بحرالکاہل کی جانب سے شائع کیا گیا ہے۔

یہ دستاویز یورپین کمیشن کے تعاون سے پایہ تکمیل تک پہنچائی گئی ہے جس میں شامل خیالات اور مندرجات آئی ایف جے کے ہیں۔
اس لیے ان کو یورپی کمیشن کی باضابطہ رائے کی ترجمانی کے طور پر کسی طرح بھی نہ لیا جائے۔

مضامین کی فہرست

1۔	**اس رپورٹ کے بارے میں**	**04**
	مشن سے پہلے	05
	پاکستان میں آزادی صحافت اور تحفظ	06
2۔	**صوبوں میں آزادی صحافت**	**09**
	بلوچستان کا جائزہ	**09**
	صحافیوں کیلئے خطرات	09
	اضافی مسائل	10
	سزا سے استثنیٰ	10
	تعصب	11
	بلوچستان میں مشن کے نتائج	11
	خیبر پختونخوا اور وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقوں (فاٹا) کا جائزہ	**14**
	صحافیوں کے خلاف تشدد	15
	خطرات/ دھمکیاں	16
	کام کرنے کے حالات	16
	تحفظ اور سلامتی	17
	صحافت میں خواتین کا کردار	17
	خیبر پختونخوا اور فاٹا میں مشن کے نتائج	18
	سندھ کا جائزہ	**19**
	سندھ اور کراچی شہر میں مشن کے نتائج	21
	پنجاب کا جائزہ	**22**
	پنجاب میں مشن کے نتائج	25
	شدت پسند گروپوں سے نمٹنا اور سرکاری سیکورٹی خدشات	28
	سزاء سے استثنیٰ کے خلاف جدوجہد	29
	تنخواہ اور کام کے حالات	32
3۔	**سفارشات**	**33**
	میڈیا ئنز قیاتی پروگراموں کو صحافت کے موجودہ اداروں کو مضبوط کرنا ضروری ہے	**33**
	استعداد کار/ تربیت	**33**
	صحافت کے ذریعے انصاف	**33**
	ایڈوکیسی	**34**
	نیوز روم میں اقلیتوں اور خواتین کیلئے احترام	**34**
	فنڈنگ	**35**
	دستاویزی شکل دینا	**35**
	خاندانوں کی دیکھ بھال	**35**
	ایڈوکیسی اور مکالمہ	**35**
	آجروں (مالکان) کے ساتھ کام کرنا	**36**
4۔	**اختتام**	**37**

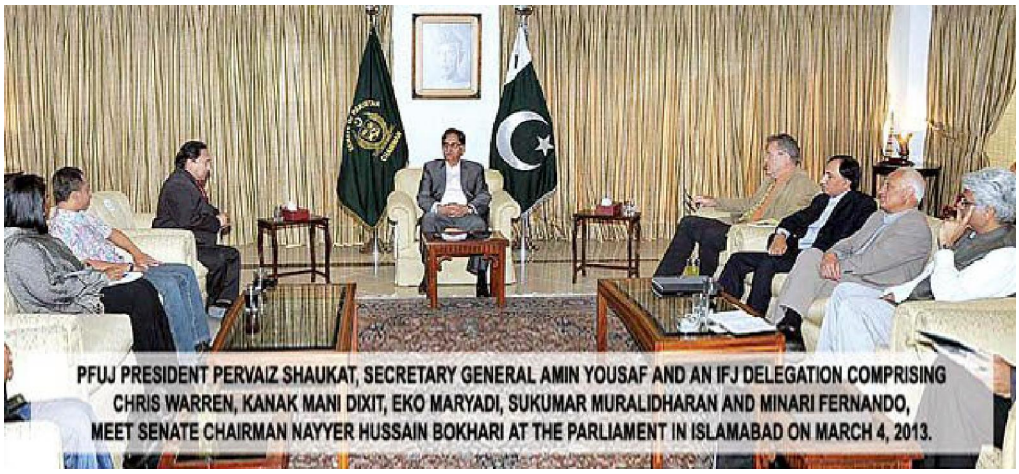

PFUJ PRESIDENT PERVAIZ SHAUKAT, SECRETARY GENERAL AMIN YOUSAF AND AN IFJ DELEGATION COMPRISING CHRIS WARREN, KANAK MANI DIXIT, EKO MARYADI, SUKUMAR MURALIDHARAN AND MINARI FERNANDO, MEET SENATE CHAIRMAN NAYYER HUSSAIN BOKHARI AT THE PARLIAMENT IN ISLAMABAD ON MARCH 4, 2013.

پی ایف یو جے پریذیڈنٹ پرویز شوکت، سیکرٹری جنرل امین یوسف اور آئی ایف جے کے وفد میں شامل کرس وارن، کنک مانی ڈِکشٹ، ایکو مریادی، سوکمار مرلی دھرن اور مینا ری فرنینڈو کی چیئرمین سینٹ جناب نیئر حسین بخاری سے پارلیمنٹ میں 4 مارچ 2013 کو ملاقات

رپورٹ کے بارے میں

یہ رپورٹ پاکستان میں آزادی صحافت کی تحقیقات کرنے والی ایک عالمی مشن کا نتیجہ ہے۔ پاکستان ایک صحافی کے طور پر کام کرنے کیلئے سب سے خطرناک ملک ہے۔

سینئر پاکستانی صحافیوں' صحافیوں کی عالمی فیڈریشن (آئی ایف جے) کی نمائندگی کرنیوالے آزادی صحافت کےعلمبرداروں اوراس کے متعلقین کےایک وفد نے یکم مارچ سے 4 مارچ 2013ءتک پاکستان کےصوبوں بلوچستان' سندھ' پنجاب' خیبر پختونخوااور وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقوں کا دورہ کیا۔ پاکستان کے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں 5 مارچ 2013ءکوایک قومی اجلاس منعقد ہوا جس میں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ صحافیوں کیلئے پیشہ ورانہ امور سرانجام دینے کے دوران درپیش خطرناک خرابیوں پر توجہ مرکوز کرکے ان کے فوری سدباب کیلئے اقدامات اٹھانے کا مطالبہ کیا جائے۔

یہ دورہ قبل ازیں 2012ء میں فیکٹ فائنڈنگ مشن کا ایک پرتو تھا جس میں پاکستان میں آزادی صحافت کیلئے تشویش کی کئی اہم باتوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔

☆ تشدد' دھمکیاں/خطرات اورالزامات سے استثنٰی کا کلچر
☆ تنخواہوں کی عدم ادائیگی' کم تنخواہیں اورکام کے حالات' ناقص حفاظتی تربیت اورآلات
☆ پیشہ ورانہ معیار' تعصب' سیلف سینسرشپ' کرپشن' بے جاطرف داری اور
☆ صحافتی پیشے میں خواتین کی کم نمائندگی

(دائیں سے بائیں) پی ایف یو جے جنرل سیکرٹری امین یوسف، پریذیڈنٹ پرویز شوکت چیئرمین پریس کونسل آف پاکستان، راجہ محمد شفقت خان عباسی، کرس وارن، یورپین یونین کے پاکستان میں سفیر جناب لارس گنر وگمارک اور کنک مانی ڈکشٹ **5** مارچ **2013** کو اسلام آباد میں منعقدہ نیشنل میٹنگ کے موقع پر۔

جبکہ آزادی صحافت کو سیاسی، معاشی اور سماجی عوامل کی صورت میں جو خطرات درپیش ہیں وہ ہر ایک صوبے میں مختلف نوعیت کے ہیں۔ ہر صوبے کے بڑے شہر اور علاقائی مقامات کے اندر ایسے بہت سے مشترکہ تجربات ہیں جو قومی سطح پر صحافتی آزادی کے دفاع کیلئے مستقبل میں کام کرنے کی ترجیحات سے مطلع رکھتے ہیں۔

اس رپورٹ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مشن کی جانب سے دورہ کرنیوالے صوبوں میں صحافیوں کے مختلف تجربات کو ہم آہنگ کیا جائے اور خطرات کے ان اہم جگہوں اور مشترکات کی نشاندہی کی جائے تاکہ ان کا مستقبل کی منصوبہ بندی اور وکالتی کام کے دوران تدارک کیا جاسکے۔

مشن سے پہلے

یہ مشن تین صحافیوں کے قتل کے بعد چند دنوں کے اندر اندر قائم کیا گیا۔ یہ تینوں ہلاکتیں پاکستان میں صحافیوں کو درپیش مختلف قسم کی مشکلات اور ان کی نوعیت مثال دیتے ہیں۔

خوشنود علی شیخ

25 فروری 2013ء کو سرکاری خبر رساں ادارے ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کے چیف رپورٹر خوشنود علی شیخ کو صوبہ سندھ کے دارالحکومت کراچی میں اس وقت قتل کیا گیا جب ایک کار نے اس کو ٹکر ماردی اور فرار ہوگئی۔ خوشنود علی شیخ کو دھمکی آمیز موبائل کال موصول ہورہی تھیں جن میں ان سے 50 ہزار روپے بھتہ کا مطالبہ اور ناکامی کی صورت میں ان کے بچے کو اغوا کرنے کی دھمکیاں شامل تھیں۔ انہوں نے ان دھمکیوں سے اپنی یونین، دفتر اور پولیس کو آگاہ کیا اور بادل ناخواستہ اپنے اور خاندان کی حفاظت کی خاطر کراچی سے اسلام آباد منتقل ہوگیا۔ اسلام آباد میں چند ماہ گزارنے کے بعد ان کو خیال گذرا کہ اب یہ قصہ وقت کے گرداب میں چھپ گیا ہوگا اور واپس کراچی چلا گیا۔ کراچی پہنچتے ہی ان کو دھمکیاں ملنے کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا۔ یہ بات یقین سے کہی جارہی ہے کہ ان کی موت حادثاتی نہیں تھی بلکہ ان کو دانستہ طور پر ہدف بنا کر کار سے ٹکر ماری گئی تھی۔ اگرچہ کہ ان کی موت کی اصل وجوہات کا تعین تو تحقیقات میں ہی ہوگا لیکن ایسے لگتا ہے کہ خوشنود علی شیخ کراچی میں روز بروز بڑھتے ہوئے جرائم کا نشانہ بنا ہے جس سے اس شہر البلاد کے تمام شہریوں کی زندگیاں پہلے ہی اجیرن بن گئی ہیں۔ درحقیقت نسلی طور پر پاکستان کا سب سے بڑا یہ متنوع ثقافتوں کا حامل شہر سیاست آلودہ جرائم کے اکھاڑے میں تبدیل ہوگیا ہے جہاں پر مختلف فرقہ ورانہ مفادات کی نمائندہ جماعتوں کے مابین ایک دوسرے پر سبقت نے سیکورٹی انتظامات کو جوتے کی نوک پر رکھا ہوا ہے۔

ملک ممتاز خان

دو دن بعد وفاق کے زیر انتظام قبائلی ایجنسی شمالی وزیرستان کے شہر میران شاہ میں صحافی ملک ممتاز خان کو کالے شیشے والی گاڑی میں پہلے سے گھات لگائے مسلح افراد نے فائرنگ کرکے اس وقت قتل کردیا جب وہ اپنے گھر جارہے تھے، جس انداز سے انہیں نشانہ بنایا گیا اور وارات میں گاڑی استعمال کی گئی، وہ خیبر پختونخوا اور فاٹا میں وجود میں آنیوالے بہت سے گروپوں میں سے کسی ایک کے ملوث ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ علاقہ دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی زیر قیادت عالمی جنگ کے مرکزی اکھاڑے میں سے ایک بن گیا ہے۔ ملک ممتاز خان گزشتہ 15 سال سے صحافت کے پیشہ سے وابستہ

تھے اور وہ جیو نیوز ٹی وی چینل اور جنگ گروپ کے اخبارات کیلئے کام کر رہے تھے۔ وہ علاقہ کے ایک معزز قبائلی رہنما تھے' اگر چہ کہ ایجنسی میں پر تشدد حملوں کو اکثر قبیلے اور قبائلی دشمنیوں کا شاخسانہ قرار دیا جاتا ہے تاہم ان کی کسی کے ساتھ دشمنی نہیں تھی' اپنے قتل سے چند ماہ قبل انھیں میراں شاہ پریس کلب کا صدر منتخب کیا گیا تھا۔

یکم مارچ 2013ء کو روزنامہ انتخاب کے نامہ نگار محمود احمد آفریدی کو صوبہ بلوچستان کے شہر قلات میں موٹر سائیکل سوار مسلح افراد نے فائرنگ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ 56 سالہ محمود احمد آفریدی 1995ء سے صحافتی پیشہ سے وابستہ اور وہ قلات پریس کلب کے صدر بھی تھے۔ ان کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ محمود احمد آفریدی ایک عوامی ٹیلی فون بوتھ کے باہر کسی کا انتظار کر رہے تھے کہ دو موٹر سائیکل سوار افراد ان کے قریب آ کر رکے اور چار گولیاں مار کر فرار ہو گئے۔

محمود احمد آفریدی

ممکنہ طور پر محمود احمد آفریدی بلوچستان میں بڑھتے ہوئے شورش کا شکار بنا' جہاں پر کئی ایک گروپ آزادی کے علاوہ' فوج' پیرا ملٹری اور ریاستی سیکورٹی ایجنسیوں کے خلاف مسلح کارروائیوں میں مصروف ہیں' صوبے میں بڑی تعداد میں عسکریت پسند گروپوں کی موجودگی جن میں سے بعض وفاقی ایجنسیوں کیلئے کام کر رہے ہیں اور خاص کر ایک انتہا پسند گروپ کی جانب سے اقلیتی برادری پر ٹارگٹ حملوں کے ذریعے اس شورش میں فرقہ وارانہ عنصر شامل کرنے کی کوششوں سے بلوچستان کا مسئلہ مزید پیچیدہ ہو گیا ہے اور حکومت کو ان سب تنظیموں کو مذاکرات کی میز پر لانے میں کامیابی نہیں ہو پا رہی۔

پاکستان میں صحافت کی آزادی اور تحفظ

10 جنوری 2013ء کو صوبہ بلوچستان کے دارالخلافہ کوئٹہ کو یکے بعد دیگرے دو بم دھماکوں نے ہلا کر رکھ دیا۔ ان دھماکوں کا مقصد بڑے پیمانے پر انسانی جانوں کا ضیاع اور عام لوگوں کو خوف زدہ کر کے ان کے حوصلے پست کرنا تھا۔ یہ بم دھماکے کوئٹہ شہر کے علمدار روڈ پر ایک سنوکر کلب میں ہوئے' شر پسندوں نے پہلے دھماکے کے چند منٹ بعد صحافیوں اور امدادی کارکنوں کے جمع ہونے پر دوسرا ہولناک دھماکہ کرنے کے معروف طریقہ کو اپنایا۔ ان پے در پے دو بم دھماکوں میں سماٹی وی کے کیمرہ مین عمران شیخ اور این این آئی کے فوٹو گرافر محمد اقبال سمیت 42 افراد موقع پر جاں بحق جبکہ آئی این پی کے فوٹو گرافر محمد حسن اور سما ٹی وی کے سینئر رپورٹر سیف الرحمٰن شدید زخمی ہو گئے۔ سیف الرحمٰن چند دن بعد زخموں کے تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے۔

پاکستانیوں میں صحافیوں کو درپیش مشکلات میں اضافہ کی ان کہانیوں میں دو نمایاں مراحل کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔

- ☆ 2000ء کے اوائل اور 2012ء کے آخر تک کے درمیانی عرصہ میں پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (پی ایف یو جے) نے مختلف واقعات میں 84 صحافیوں کے قتل ہونے کی نشاندہی کی۔ 2013ء کے آغاز سے لیکر اسلام آباد میں 5 مارچ کو ہونیوالے قومی اجلاس تک مزید 6 صحافیوں کے قتل کے بعد ان ہلاکتوں کی تعداد 90 ہو گئی۔

☆ 2000ء سے لیکر 2012ء تک کے 12 سالوں کے دوران اوسطاً 52 دن بعد ایک صحافی کو قتل کیا گیا۔ اعداد و شمار کا بغور جائزہ لینے سے یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ صحافیوں کی ہلاکتوں میں بدستور اضافہ ہو رہا ہے۔

☆ 2000ء کے اوائل اور 2006ء کے آخر تک کے درمیانی عرصہ میں پاکستان میں 18 صحافیوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ یعنی اوسطاً ہر سال میں تین یا ہر 122 دنوں کے بعد ایک صحافی کو قتل کیا گیا۔

☆ 2012ء کے آخر تک کے 6 برسوں میں 66 صحافیوں کو مارا گیا جن کی اوسط ہر سال 11 یا پھر 33 دنوں میں ایک بنتی ہے۔ جبکہ 2013ء کے متعلق کوئی نتیجہ اخذ کرنا قبل از وقت ہوگا۔ پس ہلاکتوں کی تعداد میں اضافہ تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔

☆ 2013ء کے پہلے چار ماہ کے دوران کل 8 صحافیوں کو قتل کیا گیا جن کی اوسط ہر 15 دن بعد ایک بنتی ہے۔

رواں صدی کے آغاز پر صحافیوں کے مشکلات میں اضافہ کو بلاشبہ 2001ء کے واقعات جب پاکستان امریکہ کی قیادت میں عالمی جنگ کا مرکزی میدان بن گیا تھا، سے جوڑا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ 2001ء کے واقعات کو عام طور پر نائن الیون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ 2006ء کے بعد ملک میں امن و امان کی ابتری کی نمایاں وجہ ایک کے بعد دوسری حکومت کی جانب سے اختیار کردہ وہ حکمت عملیاں تھیں جس کے نتیجے میں وہ شر پسند قوتوں کے غم و غصہ کو سرد کرنے میں مسلسل ناکام رہے۔ پاکستان کی وفاقی حکومت کی جانب سے فاٹا کے قبائلی گروپوں کے ساتھ امن معاہدے پر کام کیلئے کوششوں کو امن و استحکام کیلئے منصفانہ اقدامات کے سلسلہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا لیکن 2002ء کے بعد صورتحال میں ہنگامہ خیز تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہوئیں۔ پاک فوج کی جانب سے قبائلی پٹی میں امن و امان کیلئے طاقت کے بھرپور استعمال کے بعد 2005ء میں شدت پسند گروپ مذاکرت کی میز پر آ گئے۔ دیکھا گیا ہے کہ 2006ء تک ان کوششوں کو نمایاں نہیں کیا گیا۔

ایران اور افغانستان کی سرحد پر واقع صوبہ بلوچستان رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے اور اس کی شورش کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ پاکستان کو ایک خودمختار ملک کے طور پر وجود میں آنے سے لیکر اب تک بلوچستان میں عدم استحکام نے خطہ کو افراتفری کے مسئلہ سے دوچار کئے رکھا ہے۔ تاہم گزشتہ چند برسوں کے دوران مسلح باغی گروپوں، پاک فوج کے یونٹوں اور فرنٹیئر کانسٹیبلری کے درمیان جھڑپوں کے بعد تشدد آمیز کارروائیوں میں اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔ اگست 2006ء میں بلوچستان کے بااثر قبائلی سردار اکبر بگٹی کو پاک فوج کے فضائی حملہ میں ہلاک کیا گیا۔ 2007ء میں بلوچستان میں گہرے پانی کی بندرگاہ گوادر کا افتتاح کیا گیا جس کو چین کے ساتھ پاکستان کے اتحاد کو مضبوط بنانے اور سٹریٹجک اہمیت کے خلیجی خطہ میں تبدیلی کیلئے انتہائی اہم خیال کیا جاتا ہے۔

پاکستان کی آبادی کا زیادہ تر حصہ صوبہ پنجاب اور سندھ میں رہائش پذیر ہے، یہ دونوں صوبے نہ صرف کئی عشروں سے جاری اندرونی خلفشار کے اثرات بلکہ پڑوسی ممالک ایران اور افغانستان میں حکومت کے خلاف بغاوتوں کے اثرات سے بھی بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔

پاکستان کی پارلیمنٹ نے بالآخر مجبور ہو کر صحافیوں کو درپیش مشکلات کا نوٹس لے لیا اور 4 مارچ کو صحافیوں کے تحفظ کے حوالے سے ایڈہاک کمیٹی کا ایک خصوصی اجلاس منعقد کیا جس میں صورتحال میں بہتری لانے کیلئے ممکنہ ذرائع پر بحث کی گئی۔ کمیٹی کے سامنے بیانات میں پی ایف یو جے نے میڈیا پر حملوں کی نگرانی کیلئے خصوصی پبلک پراسیکیوٹر کی تعیناتی کی تجویز دی۔ انہوں نے اس موقع پر تمام صحافیوں کیلئے

قانونی طور پر منظور شدہ انشورنس کور دلانے کی تجویز بھی پیش کی۔ پی ایف یو جے نے تجویز کیا کہ جب تک اس جامع انشورنس پروگرام پر عملدرآمد کا مرحلہ شروع نہیں ہوتا حکومت مقتول صحافیوں کے اہلخانہ اور زخمی ہونیوالے صحافیوں کو معاوضہ ادا کرنے کا انتظام کرے۔

آئی ایف جے- پی ایف یو جے مشن کی جانب سے اس مسئلہ پر سنجیدگی سے کام کرنے کے باعث پاکستان کی پارلیمنٹ نے صحافیوں کی حفاظت کے مسئلہ کو اٹھایا۔ ایڈہاک کمیٹی کی رکن عطیہ عنایت اللہ نے خاص طور پر صحافی برادری کے مطالبات پر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کیا اور وزارت داخلہ کی جانب سے سیکرٹری کے بجائے ڈائریکٹر جنرل عہدے کے ایک کم درجہ افسر کو کمیٹی کے اجلاس میں بھیجنے پر شدید تنقید کی۔

صوبوں میں آزادی صحافت

بلوچستان کا جائزہ

طاہر راٹھور

بلوچستان میں ہر روز تقریباً 80 روزنامہ اخبارات اور ہفتہ وار جرنلز شائع ہوتے ہیں جن میں تین پشتو' ایک بروہی اور باقی سب بلوچی زبان میں ہیں۔ تقریباً تمام قومی اخبارات' نجی ٹیلی ویژن چینلز اور قومی اور عالمی ریڈیو سروسز نے کوئٹہ اور بلوچستان کے دیگر بڑے شہروں میں بیوروز قائم کیے ہیں' ایک اندازے کے مطابق صوبے میں 500 سے 600 صحافی کام کر رہے ہیں جن میں صرف 140 فل ٹائم صحافی ہیں' صحافیوں کی اکثریت سرکاری اداروں یا نجی شعبہ میں پارٹ ٹائم ملازمت یا پھر کاروبار کر رہے ہیں۔ ان صحافیوں میں سے 95 جرنلسٹس بلوچستان یونین آف جرنلسٹس اور کوئٹہ پریس کلب کے رکن ہیں۔ پی ایف یو جے' آئی ایف جے عالمی میڈیا کی حمایت سے تمام صحافی برادری کو خدمات اور تعاون فراہم کرتی ہے اور ان کے متعلقہ اضلاع میں سیکورٹی اور سیفٹی ورکشاپس کا انعقاد کیا ہے۔ اس کے علاوہ کراچی اور اسلام آباد میں پی ایف یو جے کے دفاتر سے میڈیا رائٹس مانیٹرنگ سپورٹ بھی فراہم کی جاتی ہے۔

صحافیوں کیلئے خطرات

2000 سے لیکر اب تک پاکستان میں قتل ہونیوالے 95 صحافیوں میں سے 30 کو صوبہ بلوچستان میں موت کی نیند سلایا گیا جبکہ 2008ء کے بعد مزید 20 صحافیوں کی ہلاکت سے صورتحال بد سے بدتر ہوگئی اور صحافیوں کے تحفظ کے حوالے سے خطرات میں نمایاں اضافہ ہوا۔ شمال مشرقی اضلاع میں خطرات نے بگٹی اور مری مزاحمت کے خلاف پیرا ملٹری (یا ملٹری) آپریشنز کے بعد سر اٹھایا جب زیر زمین علیحدگی پسند گروپوں کی جانب سے فوج 'پولیس اور حکومتی تنصیبات پر حملوں اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ آئی ڈی پیز بحران اور مسلح گروپوں کی ٹارگٹ کلنگ یا چند کیسز میں حتیٰ کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کی جانب سے کسی بھی پارٹی (شدت پسندوں یا فوج) کی ہدایات کی پیروی نہ کرنے والے صحافیوں جو اخبارات کیلئے آزادانہ رپورٹنگ کر رہے تھے کو ہدف بنا کر نشانہ بنایا گیا۔ فوج کی جانب سے بگٹی قبیلے کے سردار کو قتل کرنے کے بعد ڈیرہ بگٹی اور کوہلو کے اضلاع حقیقی طور پر کسی بھی آزاد میڈیا کیلئے نوگو ایریاز میں تبدیل ہوگئے۔ نصیر آباد' جعفر آباد میں قبائلی مزاحمت کا نتیجہ ایک کلچر کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ جہاں پر مقامی میڈیا' قبائلی سرداروں کے خلاف بولنے یا لکھنے پر تیار نہیں۔ ان علاقوں میں خواتین پر تشدد کے واقعات عام ہیں لیکن قبائلی تحکمانہ کردار کے باعث منظر عام پر نہیں آتے۔

پشتون پٹی میں طالبان اور القاعدہ کی سرگرمیاں ملکی اور عالمی سطح پر رپورٹنگ کی توجہ کا مرکز ہیں۔ یہ اضلاع افغانستان کی سرحد پر واقع ہیں اور صوبہ کے دیگر حصوں کے مقابلے میں یہاں کا قبائلی ڈھانچہ کسی حد تک لچکدار ہے۔ یہ خطہ دو سیاسی عناصر کے درمیان تقسیم کیا گیا ہے: یعنی شدت پسند مخالف (طالبان قوم پرست گروپس) اور شدت پسند حامی گروپس (تفصیل) ان علاقوں میں صحافیوں کو اکثر اس وقت ڈرایا دھمکایا جاتا ہے جب وہ شدت پسندوں کی سرحد پار نقل و حرکت کو رپورٹ کرتے ہیں۔

گوادر، پنجگور، اواران کے بلوچ اکثریتی ساحلی پٹی میں مقامی آبادی کے درمیان حکومت مخالف جذبات زوروں پر ہیں اور صحافیوں کو دونوں یعنی حکومت اور علیحدگی پسند گروپوں کے دباؤ اور دھمکیوں کا سامنا ہے۔ مقامی اخبارات' مسلح گروپوں کے قوم پرستانہ کاز کے حوالے سے حمایتی مواد سے بھرے ہوتے ہیں۔ مقامی صحافیوں کو اکثر حکومت کی جانب سے شدت پسند گروپوں کے کارکنوں کی ماورائے عدالت ہلاکتوں اور لاپتہ افراد کے ایشوز پر رپورٹنگ کرنے پر مبینہ طور پر دھمکیاں یا ٹارگٹ کیا جاتا ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جس پر پورے بلوچستان کے عوام کو سخت تشویش ہے۔

بلوچستان میں قتل ہونے والے سب سے زیادہ صحافیوں کا تعلق وسطی خضدار سے ہے۔ اس علاقہ میں عسکریت پسندوں اور حکومت کے درمیان لڑائی کا میدان زیادہ گرم ہے۔ وہ صحافی جن کو حکومت حامی یا شر پسندوں کا غیر ہمدرد خیال کیا جاتا ہے کو ٹارگٹ حملے کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے۔ صحافیوں کو حالیہ دنوں میں دھمکیاں صوبہ پنجاب کے ضلع جنگ سے تعلق رکھنے والی کالعدم تنظیم لشکر جھنگوی کی جانب سے بھی سامنے آئی ہیں۔ ملک میں زیادہ تر فرقہ ورانہ تشدد کے واقعات میں اسی تنظیم کا ہاتھ ہے' لشکر جھنگوی نے بلوچستان میں غریب آبادی کو پانی کی سہولیات اور خوراک کی فراہمی کے علاوہ دیگر فلاحی منصوبے شروع کر کے وہاں پر اپنے وجود کو مضبوط بنالیا ہے۔

نوشکی' خضدار اور کوہلو میں مقامی لوگوں کے گھروں کی چھتوں پر لشکر جھنگوی کے جھنڈے آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ لشکر جھنگوی کے مسلح کارکنوں نے ان میڈیا کارکنوں پر جوابی حملے کیے ہیں جو صوبہ میں شعیہ مسلمانوں کے خلاف ان کی زیر قیادت مبینہ مہم کو رپورٹ یا ان کا دہشت گرد یا انتہا پسند گروپ کے طور پر حوالہ دیتے ہیں۔

اضافی مسائل

بلوچستان میں ایک اور اہم عنصر صحافیوں کی بڑی تعداد کا وفاق مخالف یا وفاق حامی مسلح گروپوں اور قوم پرستوں سے وابستگی بھی ہے۔ ان صحافیوں کی رپورٹنگ میں کوئی واضح تعصب کو جانبداری کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس کے باعث دھمکیوں اور حفاظتی خدشات کے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ مزید برآں سیاسی دباؤ بھی ڈالا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس فائز عیسیٰ قاضی نے بلوچ قوم پرستی اور علیحدگی پر مبنی تحریکوں سے متعلق معاملات پر رپورٹنگ کرنے پر پابندی لگانے کا حکم دیتے ہوئے کہا ہے کہ کسی کو بھی صوبہ میں برسر پیکار مسلح، عسکریت پسند یا قوم پرست گروپوں کے حوالے سے خبروں کی رپورٹ یا اشاعت کیلئے پیسے نہیں دینا چاہیئے۔ اگر کسی نے کوئی خبر دی یا اخبارات نے چھاپی تو ان کو 6 ماہ کیلئے جیل بھیج دیا جائے گا۔

سزا سے استثنیٰ

صحافیوں کی ہلاکتوں کی تحقیقات میں عدم تعاون کے خلاف پی ایف یو جے کی خصوصی مہم کے باوجود بلوچستان پولیس نے قتل کیے جانیوالے 30 صحافیوں میں سے صرف تین کے مقدمے درج کیے ہیں جن میں 9 ستمبر 2012ء کو خضدار میں قتل ہونیوالے عبدالحق بلوچ' 14 اگست 2011ء کو تربت میں مارے جانیوالے منیر شاکر اور ندیم غورگناری (Ghoorghanari) کے دو بیٹے شامل ہیں جن کو خضدار میں

گولیوں کا نشانہ بنایا گیا' ان تینوں کیسوں میں تحقیقات کو منظر عام پر لایا گیا اور نہ ہی صحافی تنظیموں کو کوئی معلومات فراہم کئے گئے۔حتی کہ ان سے کوئی ثبوت پیش کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی گئی۔صحافی تنظیموں (بشمول پی ایف یو جے کے علاقائی چیپٹرز) کی جانب سے اپنے ساتھیوں کی ہلاکتوں کی ایف آئی آر درج کرانے کی کوششوں کے باوجود پولیس نے قبائلی سرداروں کے دباؤ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے' کیونکہ یہ لوگ بلوچستان کی حکومت میں نیم سرکاری افسران کا کردار ادا کر رہے ہیں اور وہ تحقیقات میں پیش رفت کے راستے میں حائل ہیں۔

پولیس کے پاس کئی مقدمات کے اندراج کے باوجود یونین کے پاس قانونی چارہ جوئی کے اخراجات کو پورا کرنے کے وسائل نہیں لیکن پھر بھی یونین نے وکلاء اور شہری حقوق کے حامیوں کے تعاون سے عدالتوں میں کیسز کی پیروی کی ہے۔خطرات اور متاثرہ خاندانوں کو ملنے والی دھمکیاں بھی بہت سے مقدمات میں انصاف کے حصول کی کوششوں میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔

بلوچستان اور پاکستان کے دیگر حصوں میں پی ایف یو جے کے ذیلی تنظیموں نے پولیس کے پاس فرسٹ انفارمیشن رپورٹ (ایف آئی آر)[1] سے منسلک مسائل سے متعلق حکومت پر دباؤ میں اضافہ کو جاری رکھا ہوا ہے لیکن سزا سے استثنیٰ ایک سنگین مسئلہ کے طور پر باقی ہے۔ آج تک حکومت نے سلیم شہزاد جن کو مئی 2011ء کو قتل کیا گیا کے علاوہ کسی دوسرے کیس میں بھی عام تحقیقات نہیں ہونے دی۔اگرچہ کہ پی ایف یو جے نے شہزاد کے قتل میں اعلی سطح کی عوامی تحقیقات کا خیر مقدم کیا تھا اور متعدد سماعتوں می شرکت کی بھی تھی لیکن ان کے قتل کی حتمی رپورٹ مقتول کی موت کے اردگرد کے خصوصی حالات، آزادی صحافت اور بلوچستان اور قومی سطح پر میڈیا کے کارکنوں کی ہلاکتوں میں استثنی کے حوالے سے سوالات کا ازالہ کرنے میں ناکام رہی ہے۔

تعصب

بلوچستان کے اضلاع میں 90 فیصد سے زیادہ نامہ نگاروں کو ان کی رپورٹنگ کا معاوضہ نہیں دیا جاتا۔بعض کیسوں میں نامہ نگار میڈیا ہاؤسز اور نیوز ایجنسیز کو اپنے پلے سے سکیورٹی فیس ادا کرتے ہیں۔اس کی روشنی میں بغیر تنخواہ کے رپورٹنگ کیلئے محرکات پر سوالات اٹھائے جاسکتے ہیں۔بعض کیسوں میں رپورٹنگ کا مقصد ایک مخصوص گروپ (سیاسی، عسکریت پسند یا کاروبار سے متعلقہ) کی حمایت جبکہ دوسری طرف حکومت اور سرکاری حکام کے درمیان اپنی اثر رسوخ کو قائم کرنا ہوتا ہے۔

بلوچستان میں مشن کے نتائج

مشن نے بلوچستان یونین آف جرنلٹس (بی یو جے) کی قیادت سے ملاقات کی جو پی ایف یو جے کی ایک ذیلی تنظیم ہے۔جغرافیائی لحاظ سے پاکستان کے سب سے بڑے صوبے میں صحافیوں کے تحفظ کا سابقہ ریکارڈ مایوس کن ہے کیونکہ 2000 کے بعد حوالے کے طور پر دیئے

---

(1)۔ کسی بھی گرفتاری کیلئے فرسٹ انفارمیشن رپورٹ (ایف آئی آر) ایک قانونی تقاضا ہے۔یہ عام طور پر ایک شکایت ہوتی ہے جس کو متاثرہ شخص یا ان کی مرضی سے کوئی دوسرا رشتہ دار پولیس کے پاس درج کراتا ہے۔یہ شکایت پولیس کے پاس زبانی یا تحریری طور پر درج کی جاسکتی ہے۔

گئے عرصہ میں 32 صحافی قتل ہو چکے ہیں۔ بلوچستان کے بارے میں سب سے زیادہ خوفناک بات یہ ہے کہ حالیہ برسوں میں صحافیوں کی ہلاکتوں میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور اب یہ رپورٹنگ کے حوالے صحافیوں کیلئے ایک مشکل صوبہ بن گیا ہے۔

بلوچستان میں خطرات کی شدت میں اضافہ اس حقیقت سے بھی عیاں ہے کہ گزشتہ چار ماہ کے دوران صوبہ میں چھ صحافیوں کو قتل کیا جا چکا ہے۔ ان چھ صحافیوں میں سے عمران شیخ، اقبال بلوچ اور سیف بلوچ کوئٹہ میں ایک کے بعد دوسرا بم دھماکہ کرنے کی حکمت عملی کے دوران مارے گئے۔ حالیہ دنوں میں دہرے بم دھماکوں کی حکمت عملی کے دیگر کیسز بھی ہوئے ہیں جن کا مقصد زیادہ سے زیادہ تباہی پھیلا کر مقامی کمیونٹی کو خوف زدہ یا پھر وہاں زخمیوں کی امداد کے لئے جمع ہونیوالے افراد یا رپورٹنگ کرنے والے صحافیوں کو نشانہ بنانا ہوتا ہے۔ ستمبر 2010 میں کوئٹہ میں ایک سیاسی ریلی میں بم دھماکہ کے بعد اچانک مختلف اطراف سے مسلح افراد برآمد ہو گئے اور انھوں نے وہاں پر جمع ہونیوالے افراد پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجہ میں ایک نیوز چینل کے رپورٹر اعجاز رئیسانی اور سٹیلائیٹ براڈ کاسٹ انٹینا والی گاڑی کا ڈرائیور بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اپریل 2010 میں صحافی ملک عارف کو اس وقت قتل کر دیا گیا جب مقامی صحافی ایک ہسپتال کے باہر شہر کے معروف مذہبی رہنماء کی شدت پسندوں کی جانب سے بم دھماکہ میں قتل کے خلاف ہونیوالے مظاہرے کی رپورٹنگ کر رہے تھے۔ اسی طرح 2010 میں خضدار پریس کلب کے صدر نسیم کے دو بیٹوں کو نشانہ بنا کر قتل کیا گیا۔

صحافیوں کے لئے خطرہ بنے گروپوں میں شدت پسند اسلامی گروپ لشکر جھنگوی شامل ہے جو پورے پاکستان میں مقامی سرپرستی کے مختلف درجوں میں بلوچستان کے تناظر میں موجود دیگر مسلح گروپوں سے ملکر کارروائیاں کرتی ہے جن میں بلوچستان لبریشن آرمی (بی ایل اے)، بلوچستان لبریشن فرنٹ (بی ایل ایف) اور بلوچستان لبریشن یونٹھ فرنٹ (بی ایل وائی ایف) قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستان کے متعدد ریاستی ادارے اور تنظیمیں ظاہری اور خفیہ طور پر انٹیلی جنس کے لئے کام کر رہی ہیں اور ان کی وجہ سے بھی صحافیوں کو آزادانہ اور شفاف رپورٹنگ کیلئے حقیقی مشکلات کا سامنا ہے۔

ایک عام صورت میں بلوچستان میں صحافت متصادم دباؤ کے زیر اثر ہے۔ بی ایل اے فرنٹیئر کانسٹیبلری پر حملہ میں متعدد اہلکاروں کی ہلاکت کے دعوی کا بیان جاری کرے گی اور صحافیوں کی جانب سے ایف سی سے رابطہ کرنے وہ مکمل طور پر ایسے کسی دعوی سے انکار کر دے گی۔ ایسی صورت حال حقیقی طور پر صحافیوں کو ایک مشکل دوہراہے پر کھڑا کر دیتی ہے۔ وہ سب ایڈیٹر جو مسلح گروپوں کے بیانات کو قابل قبول صحافتی یوزیج کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو بھی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ ان گروپوں کو عام طور پر اپنے پریس ریلیزوں کو مرضی کے مطابق شائع کرنے کے مطالبہ والے گروپوں کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

حتیٰ کہ اخبارات کی فرنٹ پیج کے بارے میں واضح پالیسی ہے کہ اس میں قومی اور عالمی اہمیت کی خبروں کو جگہ دیا جائے گا۔ لیکن شر پسند گروپ صفحہ اول پر اپنی خبریں لگوانے کیلئے اصرار کرتے ہیں۔ بلوچستان کے صحافی پریشان ہیں کہ اگر ایسے مطالبہ کو پورا کرنے کی مثال قائم کر دی گئی تو پھر ایسے ہی مطالبات کرنے والے گروپوں کی طویل قطار لگ جائے گی۔

پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) اور پاکستان مسلم لیگ کے مختلف دھڑوں سے تعلق رکھنے والے قومی جماعتوں کے سیاسی کارکن بھی اپنی مرضی کے مطابق خبریں چھپوانے کیلئے دباؤ کے ساتھ ساتھ صحافیوں کو دھمکانے کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ ان سیاسی کارکنوں کے بہت سے ایسے کیسز موجود ہیں جہاں انہوں نے نیوز روم میں زبردستی داخل ہو کر صحافیوں کا گھیراؤ کیا اور اپنے خصوصی مطالبات کو پورا کرنے کیلئے

دباؤ ڈالا۔

فیلڈ میں کام کرنے والے رپورٹرز ادارتی ترجیحات اور پسند و ناپسند پر کنٹرول کے حوالے سے بھی ناکامی سے دوچار ہیں اور اس قسم کے مواد کی اشاعت کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں بیٹھے سٹاف کے ہاتھوں میں ہے۔ صحافیوں کو درپیش ان تمام مشکلات کے باوجود صحافیوں کو انشورنس کی سہولت میسر ہے اور نہ ہی قتل یا زخمی ہونے کی صورت میں ان کے اہلخانہ کو کسی قسم کے معاوضہ کی یقینی ادائیگی ہوتی ہے۔ بلوچستان کے حالیہ شورش زدہ تاریخ میں حتیٰ کہ صرف ایک صحافی کو معاوضہ کی ادائیگی کا ایک کیس موجود ہے جب ضلع خضدار میں قتل ہونیوالے صحافی عبدالحق بلوچ کے ورثاء کو 10 لاکھ روپے کا معاوضہ دیا گیا۔ صحافیوں کا خیال ہے کہ میڈیا مالکان بھی ان کے اور ان کے خاندانوں کی ضروریات سے لاتعلقی اختیار کیے ہوئے ہیں۔

صوبوں اور وفاقی سطح پر سینئر صحافی اور پی ایف یو جے کے رہنماؤں کو بھی یقین ہے کہ میڈیا میں حالیہ تیزی اور پاکستان سے آنیوالی خبروں کیلئے درخواستوں میں اضافہ کے تناظر میں میڈیا تنظیموں نے اس صحافتی پیشے میں ناتجربہ کار لوگوں کو بھرتی کرنا شروع کیا ہے جن کے پاس مشکل صورتحال سے مناسب طریقے سے نمٹنے کا کوئی خاص علم نہیں۔ یہ استحصالی بزنس حکمت عملی اس وقت مزید پیچیدہ ہوجاتی ہے جب میڈیا ہاؤسز اپنے سٹاف پر بریکنگ نیوز کی تلاش کیلئے دباؤ ڈالتے ہیں اور وہ اس حوالے سے درپیش خطرات کا سرسری جائزہ لینے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کرتے۔ پی ایف یو جے کے رہنماؤں نے کئی ایسے واقعات کی نشاندہی کی جب صحافی حملوں میں زخمی ہوئے اور پھر بھی ان سے خطرناک علاقوں سے خبریں اور معلومات بھیجنے کیلئے دباؤ ڈالا گیا۔

دیہی علاقوں میں کام کرنے والے صحافیوں کو باقاعدہ تنخواہیں نہیں دی جاتیں حالانکہ انہیں زیادہ خطرات کا سامنا ہوتا ہے اور خطرات کے ذرائع بھی مختلف ہوتے ہیں اور ان کی پیشگوئی بھی نہیں کی جاسکتی۔ قانونی اور سیاسی عمل سے باہر کام کرنیوالے شرپسند گروپ اگرچہ مستقل خطرہ ہیں لیکن خطرے کی دوسری کیٹگری کے بارے میں یقین سے کہا جاتا ہے کہ وہ ریاستی سرپرستی میں کام کرنیوالے مسلح گروپ ہیں۔ اکتوبر 2011ء میں بلوچستان کے آخری مشن کے دوران پی ایف یو جے کے وفد نے انسپیکٹر جنرل فرنٹیئر کانسٹیلری میجر جنرل عبیداللہ خٹک جن کے پاس صوبہ کی سیکورٹی کی تمام تر آپریشنل ذمہ داریاں تھیں، سے ملاقات کی۔ ملاقات میں پی ایف یو جے کے وفد نے قتل ہونیوالے صحافیوں کے مختلف واقعات درج کرائے اور بلوچستان کے مختلف علاقوں میں رونما ہونیوالے ایسے حملوں کی نشاندہی کی جہاں پر کوئی عسکریت پسند گروپ کارروائی نہیں کر رہا تھا۔ سیکورٹی اداروں پر ثبوتوں کے ساتھ الزامات تھے۔ پی ایف یو جے نے اصرار کیا کہ وہ ثابت کریں کہ ان ہلاکتوں میں ان کا ہاتھ نہیں ہے۔

بلوچستان میں صحافیوں کو دوسرا سنگین مسئلہ 'امن و امان کی صورتحال کی منصفانہ رپورٹنگ ہے' تعریف کی رو سے صوبہ میں زیر زمین تنظیمیں بغیر کسی قانونی جواز کے کام اور وہ اپنے اقدامات کے ذریعے عوامی زندگی کو بہتر بنانے یا خراب کرنے پر بڑی حد تک اثر انداز ہو رہی ہیں۔ یہ اس حقیقت کی وجہ سے ہے کہ جب ان میں ایک تنظیم عام ہڑتال کا اعلان کر دیتی ہے تو ساتھ انتباہ بھی جاری کر دیتی ہے کہ ہڑتال کے روز کسی شخص کو عوامی جگہوں پر دیکھا گیا تو اس کو اس گستاخی پر ٹارگٹ کا نشانہ بنایا جائے گا۔ کالعدم تنظیموں کی جانب سے ایسے دیگر بیانات بھی جاری ہوتے ہیں جن میں خاص طور پر بعض لوگوں اور کمیونٹیوں کو نشانہ بنانے کی دھمکی دی ہوتی ہے۔ عام لوگوں کے خلاف کوئی بھی پرتشدد کارروائی کیلئے کوشش کو وہ اپنے لیے بڑائی سمجھتے ہیں۔

بلوچستان کے صحافیوں نے ان تمام المیوں کا سامنا صوبہ میں حالیہ برسوں کے تشدد اور شورش کے دوران کیا ہے۔ کوئٹہ میں بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس قاضی فائز عیسیٰ نے باضابطہ عدالتی رولنگ دیتے ہوئے حکم دیا کہ کالعدم تنظیموں کی رپورٹنگ کرنے والے صحافی 6 ماہ کی سزا کے مستحق ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان کے کاز میں معاونت نہیں کی گئی۔ پی ایف یو جے کے وفد نے چیف جسٹس کی اس رولنگ کے چند دن بعد ان سے ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ بلوچستان کے شورش زدہ خطہ میں رپورٹنگ کرتے ہوئے صحافیوں کو پہلے شدید مشکلات کا سامنا ہے اور انہیں ایسے کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے جن کو وہ دوسری صورت میں کرنے کو تیار نہ ہوتے۔ جب یہ گفت وشنید جار ی تھی، چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری نے کوئٹہ کا دورہ کیا اور کوئٹہ ہائی کورٹ کی رولنگ کے حق میں بیان دیا۔ اس مشن کی پاکستان کے دورہ کے دوران بلوچستان کے اخبارات کے خلاف مسلح گروپوں کے بیانات اور پریس ریلیز شائع کرنے پر تقریباً 16 مقدمات درج کیے گئے۔ ظاہری طور پر بعض ایسی اقدار ہوتی ہیں جن کو شورش زدہ علاقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ان کا تعلق تشدد پر اکسانے اور خوشی منانے کے حوالے ہوسکتا ہے۔ جنوبی ایشیاء کے جنگ زدہ علاقوں سمیت پوری دنیا کے صحافی حالیہ برسوں میں اس مسئلہ سے دوچار ہیں اور بہترین امور کی انجام پر ایک بڑھتا ہوا اتفاق رائے ہے کہ ان کو ایسے متنوع تناظر میں اختیار کیا جانا چاہیے۔ یہی وہ معاملہ ہے جس کی بنیاد پر یہ رپورٹ مثبت نتائج دے گی۔

خیبر پختونخوا اور وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقوں (فاٹا) کا جائزہ

یوسف علی

27 فروری 2013ء کو ملک ممتاز خان کا قتل اس بات کی یاد دلاتا ہے کہ وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقوں (فاٹا) اور صوبہ خیبر پختونخوا (کے پی) میں صحافیوں کے خلاف پرتشدد کارروائیاں جاری ہیں۔

صحافیوں کے خلاف تشدد کا سب سے زیادہ حوصلہ شکن پہلو یہ ہے کہ حکومت حملوں کے منصوبہ سازوں کو تلاش کرنے اور انہیں انصاف کے کٹہرے میں لانے میں بدستور ناکام ہے۔ حکومت کی عدم دلچسپی کے باعث قاتلوں، اغوا کاروں، تشدد اور صحافیوں کو دھمکیاں دینے والوں کو سزا سے استثنیٰ کا ایک کلچر تخلیق ہوا گیا ہے۔ پرتشدد حملوں کے مشتبہ منصوبہ سازوں کا تعلق مختلف گروپوں اور غیر ریاستی عناصر بشمول ملٹری، پولیس، شدت پسند اور دیگر مفادات رکھنے والے گروپوں سے ہے۔

پشاور میں صحافیوں کے کام کرنے کے حالات ان کی تسلی کے مطابق بہتر نہیں ہوتے ہیں۔ 500 سے زائد صحافی شہر میں اخبارات کے ہیڈکوارٹرز یا قومی اخبارات کے بیورز میں ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں۔ زیادہ تر اخباری ملازمین کو اپائنمنٹ لیٹرز اور حتیٰ کہ بعض صورتوں میں باضابطہ پریس شناختی کارڈ بھی جاری نہیں کیے جاتے۔ زیادہ میڈیا آرگنائزیشنز میں تنخواہیں بہت کم ہیں جس کے باعث بالخصوص مہنگے رہائشی شہروں میں صحافیوں کو شدید معاشی چیلنجز کا سامنا رہا ہے۔

اخباری ملازمین کیلئے ساتویں ویج ایوارڈ کے تاخیر سے نفاذ کے باوجود میڈیا ورکرز میں یہ امید پیدا ہوگئی تھی کہ اب ان کی تنخواہیں بہتر ہوجائیں گی اور کئی برسوں سے واجب الادا بقایاجات بالآخر ادا کردی جائیں گی۔ بدقسمتی سے ویج ایوارڈ کو صرف مقامی اردو اخبار ''آج''

پشاور نے نافذ کیا۔ جہاں پر کارکنوں کو بعض فوائد دیئے گئے۔ ڈان اور جنگ گروپ سمیت دیگر بڑے میڈیا گروپ ویج ایوارڈ کے مکمل نفاذ کے راستے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ پشاور کے صحافیوں نے عمل درآمد ٹریبونل برائے اخباری ملازمین (آئی ٹی این ای) میں مقدمہ کی پیروی جاری رکھی ہے لیکن ابھی تک کوئی نمایاں کامیابی نہیں ملی۔ ٹریبونل نے پشاور میں دو اجلاس منعقد کئے جس سے صحافی برادری کو امید کی ایک کرن نظر آئی لیکن ٹریبونل کی جانب سے احکامات جاری ہونے کے باوجود ابھی تک ان پر حقیقی پیش رفت نہیں ہوئی۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ اخباری مالکان اب بھی پوری طاقت اور اثر روسوخ کا استعمال کر رہے ہیں اور سپریم کورٹ کے واضح حکم کے باوجود صحافیوں کو ان کا حق نہیں دے رہے۔

صحافیوں کے خلاف تشدد

2001 کے بعد پاکستان میں صحافیوں کے خلاف تشدد میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے اور اس عرصہ کے دوران فاٹا اور خیبر پختونخوا میں کم از کم 30 صحافیوں کو موت کے گھاٹ اتار جا چکا ہے۔ افغانستان کی جنگ کے بعد پاکستان میں صحافیوں کے خلاف تشدد میں مزید اضافہ ہوا۔ اس جنگ کے دوران شدت پسندوں نے سیاسی صورتحال اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی خبریں اکٹھی کرنے والے ورکنگ جرنلسٹس کو ان کی ایسی کوششوں پر اپنے ہدف کا نشانہ بنایا۔

طالبان گروپس، ملک کی طاقت ور ملٹری اور انٹیلی جنس ایجنسیوں پر بھی الزامات ہیں کہ فاٹا اور خیبر پختونخوا میں رپورٹروں کو اغواء، قتل اور جسمانی اور ذہنی اذیت کا نشانہ بنانے میں ان کا ہاتھ ہے۔

2005 میں صحافی اللہ نور اور امیر نواب کی ہلاکت کے بعد علاقہ میں صحافیوں پر حملوں میں تیزی آئی۔ تب سے ہر گزرتے سال کے دوران صورتحال ابتر ہوتی گئی جس کا نتیجہ صحافیوں کا اپنی حفاظت کے حوالے سے خوف کی صورت میں برآمد ہوا ہے۔ صحافی برادری کی جانب سے حملہ آوروں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے یا صحافیوں کو بہتر تحفظ فراہم کرنے کے مطالبات پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ صحافیوں نے اپنی سیفٹی کی خاطر اپنے اوپر از خود سنسر شپ لاگو کر لیا ہے۔

2012 میں جس پہلے صحافی کو قتل کیا گیا وہ مکرم خان عاطف تھے۔ مقتول کا تعلق مہمند قبائلی ایجنسی سے تھا۔ وہ کسی نقصان سے بچنے کیلئے شبقدر منتقل ہو گئے تھے لیکن اس کے باوجود ان کو تعاقب کر کے قتل کر دیا گیا۔ تحریک طالبان پاکستان نے اس حملہ کی ذمہ داری قبول کی اور کہا کہ انھوں نے مکرم خان کو وائس آف امریکہ کے پشتو زبان کے ڈیوا ریڈیو کیلئے کام کرنے پر انھیں ٹارگٹ کیا۔

اے آر وائی نیوز چینل کے وین ڈرائیور محمد عامر دوسرے صحافی تھے جس کو 2012 میں قتل کیا گیا۔ انھیں 20 ستمبر .2012 کو پشاور میں لوگوں کے احتجاج کے دوران پولیس نے فائرنگ کر کے ہلاک کیا۔

اسی طرح ملک کی سب سے بڑی میڈیا تنظیم جنگ گروپ کے شمالی وزیرستان ایجنسی سے نامہ نگار ملک ممتاز خان کو 27 فروری 2013 کو ایجنسی ہیڈ کوارٹر اور اپنے آبائی شہر میران شاہ کے قریب گھات لگا کر گولی ماری گئی۔ وہ خیبر پختونخوا اور فاٹا میں رواں سال کے دوران قتل کئے جانیوالے پہلے صحافی تھے۔ ملک ممتاز خان اپنے گھر جا رہے تھے کہ کالے شیشے والی ایک کار میں سوار نامعلوم حملہ آوروں نے ان پر اندھا دھند فائرنگ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ملک ممتاز ایک تجربہ کار اور متوازن رپورٹر تھے اور ان کے قتل نے دنیا کے انتہائی مشکل

علاقہ میں کام کرنیوالے صحافیوں کے درمیان خوف کی نئی لہر پھیل گئی ہے۔

خطرات/ دھمکیاں

قبائلی علاقوں میں فوج یا طالبان کا غلبہ ہے اور ہر چیز پر ان کا کنٹرول ہے۔ بہت سے قبائلی علاقے صحافیوں کیلئے نوگو ایریاز بن گئے ہیں' جیسا کہ باقی ملک سے صحافی فاٹا کے زیادہ تر علاقوں کا دورہ نہیں کر سکتے اسی طرح قبائلی صحافیوں کی اکثریت نے بھی اپنے علاقوں میں امن وامان کی خراب صورتحال' ان کو ملنے والی دھمکیوں یا مجموعی مخالف ماحول کے باعث دوسرے شہروں کی طرف نقل مکانی کی ہے۔

اکتوبر 2012ء میں جب سوات میں ملالہ یوسف زئی کو حملہ کر کے زخمی کر دیا گیا تو اس پر میڈیا نے کالعدم تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) جس نے حملہ کی ذمہ داری قبول کرنے کا دعویٰ کیا تھا پر تنقید کی۔ اس واقعہ کی کوریج نے ٹی ٹی پی کو طیش دلایا اور میڈیا تنظیموں کو دھمکیوں پر اتر آئی۔ اس کے بعد متعدد میڈیا آرگنائزیشنز نے طالبان کے حملوں کے سدباب کیلئے سیکورٹی اقدامات میں اضافہ کیا۔ پشاور میں دی نیوز اور جیو نیوز ٹیلی ویژن کے دفاتر شدید خطرات کے لپیٹ میں آئے۔ انہوں نے سیکورٹی گارڈز کی تعداد میں اضافہ کے علاوہ عمارت کے باہر ریت کے بھرے ڈرم رکھوا دیئے اور رپورٹروں اور سب ایڈیٹرز کو اپنے گھروں سے کام کرنے کی ہدایت کی۔ وادی سوات کے مالاکنڈ ریجن جس پر ایک وقت طالبان نے قبضہ اور تباہ کر دیا تھا میں صورتحال صحافیوں پر براہ راست حملوں کے حوالے سے بہتر ہوگئی۔ تاہم ان کی آزادانہ رپورٹنگ کرنا اب بھی محدود ہے کیونکہ علاقہ پر اس وقت بھی فوج کا غلبہ ہے۔

کام کرنے کے حالات

پشاور میں صحافیوں کے کام کرنے کی حالت انتہائی ابتر ہے اور انہیں بہت کم تنخواہیں ادا کی جا رہی ہیں۔ صحافیوں کے صرف 25 فیصد کو مناسب ادائیگی ہوتی ہے جبکہ ان کی اکثریت کو یا تو سرے سے تنخواہیں دی ہی نہیں جاتیں یا پھر انتہائی قلیل ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض صحافی اتنی تنخواہ لے رہے ہیں جو حکومت کے اعلان کردہ کم از کم اجرت سے بھی کم ہے۔ اخباری ملازمین کی تنخواہوں کا تعین کرنے والے ساتویں ویج ایوارڈ' جو تنخواہ اور کام کے حالات پر صحافیوں کے دعویٰ کے حق میں ہے لیکن اس کو بھی موثر طور پر نافذ نہیں کیا گیا۔ نتیجتاً اس کا صحافیوں کی تنخواہوں اور الاؤنسز پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑا۔ دوسرا مسئلہ خبر رساں ادارے ہیں جو اپنے ورکروں کو تعیناتی کے لیٹر جاری نہیں کرتیں جس سے صحافیوں میں عدم تحفظ کا احساس مزید گہرا ہو گیا ہے۔

صحافیوں کی اکثریت کو کوئی میڈیکل انشورنس حاصل نہیں جبکہ لائف انشورنس کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ خیبر یونین آف جرنلسٹس نے اپنے تمام اراکین کیلئے ہیلتھ انشورنس فراہم کرنے کے منصوبہ پر کام شروع کیا ہے جس کو پورے ملک کے صحافیوں نے سراہا ہے۔ سوات' ڈیرہ اسماعیل خان' ایبٹ آباد' کوہاٹ' مردان' مانسہرہ اور دیگر شہروں سے شائع ہونے والے اخبارات کے ساتھ کام کرنیوالے صحافیوں کی حالت بد سے بدتر ہے۔ فاٹا سمیت دیہی علاقوں میں صحافی بغیر کسی تنخواہ کے کام کرتے ہیں جن میں ٹی وی چینلز کے متعدد رپورٹرز بھی شامل ہیں۔ بہت سے لوگ صحافت میں پارٹ ٹائم کام کرتے ہیں اور ان کیلئے اپنے پیشہ پر توجہ مرکوز کرنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ انہیں بال بچوں کا

پیٹ پالنے کیلئے روزی بھی کمانا ہوتی ہے۔

تحفظ اور سلامتی

فاٹا اور خیبر پختونخوا میں صحافیوں کیلئے تحفظ اور سلامتی ایک بڑے چیلنج سے کم نہیں' مخالفانہ قسم کے ماحول میں کام کرنے والے صحافیوں کی اکثریت کو ان کے مالکان (آجر) نے کوئی مناسب تربیت نہیں دی ہے۔ میڈیا آرگنائزیشنز کی یہ اولین اور بنیادی ذمہ داری ہے کہ موجودہ سیکورٹی صورتحال کے تناظر میں اپنے ملازمین کو تحفظ اور سلامتی کی تربیت فراہم کریں لیکن وہ اس حوالے سے کوئی عملی قدم اٹھانے میں یکسر ناکام ہیں۔ حتیٰ کہ شورش زدہ علاقوں میں بھی میڈیا آرگنائزیشنز نے رپورٹروں کو سیفٹی آلات سے لیس نہیں کیا اور انہیں حملوں کا نشانہ بننے کیلئے کھلا چھوڑ دیا ہے۔ تاہم آئی ایف جے' انٹر نیوز' پی ایف یو جے اور انٹر میڈیا پشاور پریس کلب اور خیبر یونین آف جرنلسٹس کے تعاون سے صحافیوں کو سیفٹی اور سیکورٹی کی تربیت فراہم کر رہے ہیں۔ ان کوششوں کے باوجود صحافیوں کو مزید تربیت اور آلات کی سخت ضرورت ہے تاکہ ان کی سلامتی کو بہتر بنایا جاسکے۔

صحافت میں خواتین کا کردار

فاٹا اور خیبر پختونخوا کے تقریباً تمام ضلعوں میں صحافتی پیشہ سے خواتین کو باہر رکھا گیا ہے۔ پشاور میں صرف 20 خواتین صحافی کام کر رہی ہیں۔ میڈیا تنظیموں کی بھی خواہش ہے کہ وہ صحافتی پیشہ میں خواتین کو شامل کریں اور خواتین بھی کہتی ہیں کہ پشاور پریس کلب اور خیبر یونین آف جرنلسٹس میں ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا۔ خیبر یونین آف جرنلسٹس کی سینئر رکن شاہدہ پروین کا کہنا ہے کہ پشاور میں 20 خواتین صحافیوں کی موجودگی ایک اہم پیش رفت ہے کیونکہ کچھ عرصہ قبل خواتین یہ شعبہ منتخب کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں لیکن اب خواتین کے درمیان اس شعبہ میں قدم رکھنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

قبل ازیں جو چند خواتین موجود تھیں وہ بھی خواتین کی سرگرمیوں جیسے ''بیٹس'' کی رپورٹنگ تک محدود تھیں جس سے بطور رپورٹر انھیں آگے بڑھنے یا اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ شاہدہ پروین نے کہا کہ خواتین صحافیوں کو اب وہ اسائنمنٹس دیئے گئے ہیں جو ان کے ہم عصر مردوں کے پاس ہیں۔ اس بات نے خواتین کو حوصلہ اور برابر کے مواقع فراہم کیے ہیں اور انہوں نے اس سلسلے میں اپنی اہمیت کو بھی ثابت کر دکھایا ہے۔

پشاور میں میڈیا آرگنائزیشنز میں کام کرنیوالی خواتین کے پاس اب مختلف قسم کے کردار ہیں۔ شاہدہ پروین نے کہا کہ خواتین میں خواندگی کی کم شرح اور سماجی اقدار بھی خواتین کو اس پیشہ میں قدم رکھنے کے راستے میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ خیبر پختونخوا کے دیگر اضلاع اور فاٹا میں کوئی ایک خاتون بھی ایسی نہیں جو صحافت کے پیشہ سے وابستہ ہو۔

خیبر پختونخوا اور فاٹا میں مشن کے نتائج

مشن کی جانب سے 2011ء میں کرائی جانیوالی تحقیقات اور 2012ء میں ان کے اجراء کی بنیاد پر پاکستان کے مختلف صوبوں سے جامع مشن رپورٹس کے اخذ کردہ نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے پی ایف یو جے نے خیبر پختونخوا اور فاٹا کی صورتحال کے بارے میں بعض مشاہدات تجویز کیے' جسمانی سیکورٹی کا مسئلہ ایک طرف تو دوسری جانب بہت سے قانونی اور مالی مشکلات بھی ہیں۔ جن کا مختصر ذکر ذیل میں کیا گیا ہے۔

> ''خیبر پختونخوا اور فاٹا میں کام کرنیوالے 400 سے زائد ورکنگ جرنلسٹس کیلئے ملازمت کا ماحول غیر تسلی بخش ہے۔ بہت سے اخبارات تعیناتی کے لیٹرز اور شناختی کارڈ فراہم نہیں کرتے جن سے صحافیوں کے کسی میڈیا آرگنائزیشن کیلئے کام کرنے میں اپنی شناخت کرانے میں مشکل پیش آتی ہے۔ صحافیوں کی تنخواہیں معمولی نوعیت کی ہیں جس سے صحافی قانونی' مالی اور جسمانی طور پر غیر محفوظ ہو گئے ہیں۔''

یہ صورتحال ہر طرف چھائی ہوئی ہے اور ان مشاہدات کو ریکارڈ کرنے کے دوران حالات مزید گھمبیر ہو گئے۔

پی ایف یو جے نے خیبر پختونخوا اور فاٹا میں صحافی یونینز کو منظّم کرنے کیلئے اپنی کوششوں کو تیز کر دیا ہے۔ اس وقت خیبر پختونخوا میں دو یونینز ہیں جو 25 اضلاع کا ایک اتحاد ہے۔ صوبائی دارالحکومت پشاور کی خیبر یونین آف جرنلسٹس اور صوبے کے دوسرے بڑے شہر ایبٹ آباد کی ایبٹ آباد یونین آف جرنلسٹس کا پی ایف یو جے سے الحاق ہے۔

ٹرائیبل یونین آف جرنلسٹس' شورش زدہ علاقے فاٹا میں واحد سب سے بڑی یونین ہے لیکن آئینی پوزیشن کے باعث اس کا پی ایف یو جے سے الحاق نہیں ہے۔ پی ایف یو جے کے آئین کے مطابق مرکز میں صرف مقامی یونٹس اس کے الحاقی بن سکتے ہیں جہاں سے اخبارات شائع ہوتے ہوں اور متعلقہ قوانین کا اطلاق کیا جا سکتا ہو۔

اس تناظر میں فاٹا کی وفاقی سیاسی نظام کے اندر ایک منفرد حیثیت ہے کیونکہ یہاں پر قیام پاکستان کے وقتوں سے سیاسی قیادت اور مقامی قبائلی عمائدین کے مابین معاہدے کے باعث قومی قوانین کو نافذ نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ انتظامیہ کیلئے لیگل فریم ورک' جس کو فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کو بھارت میں برطانوی سامراجی حکمرانوں نے تقریباً ایک صدی سے پہلے بھی زیادہ عرصہ قبل یہاں پر لاگو کیا تاکہ مقامی قبائلی خودمختاری کا تحفظ کیا جا سکے جس کی مرکزی انتظامیہ کو سرحدوں کے استحکام کیلئے وسیع تر مفادات کے لیے ضرورت تھی۔ اس کی وجہ سے وہ قانون جو صحافیوں کی منصفانہ تنخواہ اور کام کرنے کے حالات کا تحفظ کرتا ہے یعنی (سروس کے حالات) ایکٹ آف 1973 یا این ای سی او ایس اے کی فاٹا میں کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

یہاں پر تبدیلی کی کچھ علامات بھی نظر آئی ہیں۔ اکتوبر 2011ء پاکستان کی وفاقی حکومت نے خیبر پختونخوا کی صوبائی حکومت اور مقامی عمائدین کے صلاح ومشورے سے پولیٹیکل پارٹیز کے قومی قانون کو فاٹا تک وسعت دینے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلہ کو تاریخی نتیجہ کی کی صورت میں تحریک گردانا گیا اور خودمختار سیاسی اداروں کے مابین بغیر زون خیال کیے جانیوالے خطہ کو کافی حد تک مسابقتی جمہوری سیاست کے

مرکزی دھارے میں لے آیا۔اس سے قبل خطہ میں عام سیاست کرنے کے حق کی مشق نہیں تھی۔

پی ایف یو جے نے اب مطالبہ کیا ہے کہ جہاں کہیں سیاسی سرگرمی ہے وہاں پر میڈیا کی آزادی بھی ہونی چاہیئے۔اس کا مطلب ہے (NECOSA) کو جلد از جلد قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے آئندہ انتخابات کے انعقاد تک قبائلی علاقوں تک پھیلایا جائے۔ممکن ہے اس اقدام سے فاٹا کے صحافیوں کے ذہنوں میں موجود شبہات درست ہوسکیں۔ٹرائیبل یونین آف جرنلسٹس کے تقریباً 300 اراکین ہیں اور 2007ء میں داخلی جمہوریت کا عمل شروع کیا ہے جس نے اس کو پی ایف یو جے کے افعال سے مطابقت کے قریب لایا ہے۔خیبر پختونخوا کے دیگر شہروں جیسا کہ سوات' کوہاٹ' چارسدہ اور مانسہرہ کے اپنے یونینز ہیں جو خیبر یونین آف جرنلسٹس کے ساتھ الحاق رکھتے ہیں۔ان کا پی ایف یو جے کے ساتھ براہ راست الحاق نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہاں پر ایسے دو مقامی اخبارات نہیں ہیں جن کی پی ایف یو جے کے قانون کے تحت ضرورت ہے۔

فاٹا میں صحافیوں کیلئے دوسری صورت پریس کلب کی ہے جہاں پر اس وقت 20 پریس کلب قائم ہیں۔فاٹا کی صورتحال کے باعث بہت سے صحافی دوسرے شہروں میں منتقل ہوگئے ہیں۔زیادہ تر نے پشاور میں رہائش اختیار کرلی ہے جس کا مطلب ہے کہ قبائلی صحافوں کی غیر موجودگی میں یہ کلبز اور یونین غیر فعال ہوگئے ہیں۔

فاٹا سات ''ایجنسیز'' پر مشتمل ہے جیسا کہ اسے نوآبادیاتی انتظامی زبان میں مسلسل استعمال پر آج بھی لوگ ایجنسی کے نام سے پکارتے ہیں' صوبہ خیبر پختونخوا میں 6 فرنٹیئر ریجنز یا ایف آر بھی ہیں جن کو جزوی طور پر صوبوں سے کنٹرول کیا جاتا ہے اور یہ وفاق صوبائی انتظامی ڈھانچہ کے درمیان ایک بفرزون کے طور پر کام کرتے ہیں جو فاٹا کے مقابلے میں زیادہ خودمختاری کے حامل ہیں۔

اس پیچیدہ انتظامی ڈھانچہ میں اکثر یہ سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہی کہ صحافیوں کو اپنے اوپر ہونیوالی حملوں کے خلاف کس کے پاس انصاف کے حصول کیلئے جانا چاہیئے۔اس بھیانک فہرست میں جو پی ایف یو جے نے مرتب کی ہے' خیبر پختونخوا اور فاٹا میں قتل ہونیوالے صحافیوں کی تعداد 31 ہے۔جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ ملک ممتاز خان ان ہلاکتوں میں حالیہ اضافہ ہے۔تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) نے بھی ان کی ہلاکت میں کسی طرح بھی ملوث ہونے سے صاف انکار کیا ہے۔جب اس مشن نے مارچ کے پہلے ہفتہ میں علاقہ کا دورہ کیا تو مقامی صحافتی کمیونٹی کے اندر کوئی حقیقی انڈرسٹینڈنگ نہیں تھی کہ ملک ممتاز خان کی ہلاکت میں کس کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔

سندھ کا جائزہ

امین یوسف

صوبہ سندھ میں کام کرنیوالے سینئر صحافیوں نے رپورٹ کیا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اور انٹیلی جنس اداروں' عسکریت پسندوں' قبائلی سرداروں اور جاگیرداروں اور حتیٰ کہ خود کو جمہوری کہلانے والی بعض سیاسی جماعتوں کی جانب سے صحافیوں کی ہلاکت' غیر قانونی حراست' اغواء' تشدد اور دھمکانے کے ہتھکنڈے روزمرہ معمول بن گئے ہیں۔آئی ایف جے کے مشن کی جانب سے دورہ کیے جانیوالے دوسرے صوبوں کی طرح سندھ میں شر پسند عناصر کو سزا سے استثنیٰ دینے کا مسئلہ اور ان کی جانب سے صحافیوں اور میڈیا کارکنوں کو مستقل خطرات کو

آئی ایف جے مشن ممبر کنک مانی ڈکشٹ ایڈیٹر ایکسپریس ٹربیون کمال صدیقی سے ملاقات کرر ہے ہیں۔پی ایف یو جے کے سیکرٹری جنرل امین یوسف بھی موجود ہیں۔

آزادی صحافت کی راہ میں بڑی رکاوٹ کے طور پر نشاندہی کی ہے۔

بہت سے صحافیوں نے رپورٹ کیا ہے کہ وہ ریاستی اور غیر ریاستی عناصر کی دھمکیوں کے باعث انتہائی ذہنی اور جسمانی دباؤ کے تحت کام کرتے ہیں جو نتیجتاً ان کی آزادی اور غیر جانبداری پر شدید اثرات مرتب کرر ہی ہیں۔پی ایف یو جے کے سابق سیکرٹری جنرل مظہر عباس نے کہا کہ دباؤ اور دھمکیوں نے صحافیوں کو بالخصوص شورش زدہ علاقوں حتیٰ کہ کراچی میں بھی ''از خود سنسر شپ'' لاگو کرنے پر مجبور کیا ہے۔انہوں نے کہا کہ پاکستان میں جمہوریت کیلئے میڈیا کا کردار ناگزیر ہے کیونکہ یہ شفافیت' احتساب اور پائیدار معاشی نمو کیلئے پیشگی ضروریات کو فروغ دیتی ہے۔صحافیوں پر حملہ کرنیوالوں کو سزا سے استثنیٰ سے پاکستان میں صحافت کی آزادی کیلئے سنگین خطرات ہیں اور اس سلسلے میں میڈیا آرگنائزیشنز' حکومت اور سول سوسائٹی سمیت تمام سٹیک ہولڈرز کو متحد ہوکر عام صحافیوں کی زندگی کی حفاظت کو یقینی بنانے کیلئے میکنزم متعارف کرانا چاہیئے۔

ایکسپریس ٹربیون کے ایڈیٹر کمال صدیقی نے کہا کہ صحافیوں پر خطرناک حد تک بڑھتے ہوئے حملوں پر قابو پانے اور حملہ آوروں کو سزا دینے کیلئے ضروری ہے کہ فوجداری مقدمات درج' تحقیقات اور انہیں سزا دی جائے۔انہوں نے کہا کہ فیلڈ اور بالخصوص شورش زدہ علاقوں میں کام کرنیوالے صحافیوں کو درپیش خطرات اور حقائق سے ان کے آجر اداروں کو آگاہ کرنے کیلئے شعور وآگہی کی مہم چلائی جائے۔

کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز (سی پی این ای) کے سیکرٹری جنرل عامر محمود نے بتایا کہ خوف اور خطرات کے مسلسل دباؤ کے تحت زندہ

رہنا کسی بھی پاکستانی صحافی یا ان کے خاندان کیلئے کوئی انوکھی بات نہیں۔انہوں نے کہا کہ ایسی شکایات میں اضافہ ہورہا ہے کہ طالبان کی جانب سے جہادی اداروں کے خلاف رپورٹ کرنے والے چینلز اور رپورٹروں کو سزا دینے کی دھمکیاں دی جارہی ہیں ان میڈیا اداروں کو دھمکیاں ملنا بھی عام ہیں جو طالبان کے نقطہ نظر کو نشر یا شائع نہیں کرتے' جس کے نتیجے میں میڈیا آرگنائزیشنز دہشت گردی کے خلاف پاکستان کی جنگ کی کوریج اور حکومت کے ساتھ طے پانے والے ضابطہ اخلاق کی پیروی میں انتہائی مشکل نظام پر کھڑی ہے۔علاوہ ازیں اس جنگ میں شریک مسلح گروپوں کے موقف کو نمائندگی نہ دینے پر بھی خوف کا شکار ہیں۔یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہوگا کہ پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (پیمرا) نے ایک آرڈیننس جاری کیا ہے جس میں عسکریت پسندوں کے نقطہ نظر' بیانات اور اعلانات کو نشر کرنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

سندھ اور کراچی شہر میں مشن کے نتائج

صوبہ سندھ کا دارالحکومت کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے جس کی کل آبادی کا اندازہ 18 سے 20 ملین لگایا گیا ہے۔1980ء سے اس شہر البلاد میں شروع ہونے والا تشدد ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔تشدد کی یہ کارروائیاں اکثر فرقہ ورانہ انداز سے شروع اور بعد ازاں بلوے میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔مشن سے ملاقات کرنے والے ایک شہری نے بتایا کہ کراچی میں تشدد کی کارروائیاں اب ٹارگٹ کلنگ میں تبدیل ہوچکی ہیں اور 2013ء کے پہلے دو ماہ کے دوران 473 شہریوں کو موت کے گھاٹ اتارا جاچکا ہے جن میں 80 فیصد کو ہدف بنا کر مارا گیا ہے۔بلاشبہ' مجموعی ہلاکتوں میں سے 70 فیصد کے پیچھے مجرمانہ محرکات کارفرما ہیں جبکہ دیگر فرقہ ورانہ اور ذاتی دشمنیوں سے جنم لیتے ہیں۔

کراچی میں پولیس کے بعض افسران کی آشیر باد سے لینڈ مافیا نمایاں اور فعال ہے۔ان مافیاز کے منشیات اور ناجائز اسلحہ کے اسمگلروں کے ساتھ بھی رابطے ہیں۔اسی طرح کراچی میں سیاسی' فرقہ ورانہ' کریمنل اور گینگز جنگ جاری ہے' صوبہ سندھ کے آئی جی پولیس فیاض لغاری نے سپریم کورٹ میں بیان دیتے ہوئے اعتراف کیا کہ ممکنہ طور پر 1600 جرائم پیشہ افراد پولیس فورس میں ملازمت کررہے ہیں۔قانون نافذ کرنیوالے اداروں میں ان ہلاکتوں کو روکنے کیلئے قوت ارادی کی کمی ہے۔انہوں نے کہا کہ شہر میں کئی ٹارگٹ کلنگز کرائے کے قاتلوں سے کرائے جاتے ہیں۔

کمیونٹی اور نسلی بنیادوں پر منقسم علاقوں کے ساتھ بہت بڑی آبادی کا شہر کراچی پورے ملک کے عسکریت پسندوں اور جرائم پیشہ افراد کی روپوشی کیلئے ایک پرکشش مقام بن گیا ہے۔بلوچستان' خیبر پختونخوا اور فاٹا کے مقابلے میں کراچی میں سیکورٹی کی صورتحال بہت مختلف ہے۔مشن نے جہاں کہیں بھی مقامی صحافیوں سے ملاقات کی تو انہوں نے شورش پر توجہ مرکوز کی اور اپنے سوالات کو قابل شناخت مشکلات کے آس پاس رکھا۔کراچی نے پورے پاکستان سے لڑائی جھگڑے اور تناؤ کو اپنے حدود میں سمویا ہے۔شہر کے اپنے بھی یکسر منفرد لڑائی جھگڑے ہیں۔ایک رہائشی نے مشن کو بتایا کہ کراچی میں نسلی اور فرقہ ورانہ لڑائیاں تو ہیں ہی اس پر مستزاد یہ کہ سیاسی جماعتوں نے جرائم پیشہ انڈرورلڈ کے ذریعے اس کو مزید گھمبیر بنادیا ہے۔پاکستان کے دیگر شہروں کی طرح کراچی میں میڈیا کو رپورٹ کرنے کی آزادی ہے۔

پاکستان میں سب سے بڑی میڈیا کمیونٹی والے شہر کراچی میں انفرادی رپورٹنگ کسی ایڈوائزری یا پابندی کی زد میں نہیں بلکہ پوری طرح آزادی ہے۔ تاہم عملی ضرورت کے معاملہ کے طور پر صحافیوں کو مسلح گروپوں کے حوالے سے رپورٹنگ کرتے ہوئے انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ ایک صحافی نے مشن کو بتایا کہ

> ''آپ کو ہدف پر رکھا جاسکتا ہے۔ آپ کو انٹیلی جنس اداروں، سیاسی جماعتوں اور ان کے انڈر ورلڈ اور مسلح گروپ کے ساتھ رابطوں کے حوالے سے احتیاط کرنی ہوگی''۔ انہوں نے کہا کہ بعض سیاست دانوں کی واحد طاقت جیسا کہ ''صدر'' کا مطلب ہے کہ صحافیوں کو ان کا نام لینے سے قبل احتیاط کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ بڑے کاروباری گروپ بھی بعض سیاسی جماعتوں کے زیر اثر ہیں اور وہ شاذ و نادر ہی تنقید کرتے نظر آئیں گے۔''

جیسے کہ پورے پاکستان میں ٹیلی ویژن نیوز چینلز کی آمد سے خبروں کے سننے اور دیکھنے کا رجحان بھی مختلف سطح پر تبدیل ہوگیا ہے۔ کراچی کی میڈیا کمیونٹی دیگر صحافیوں کی طرح سوچ رہی ہے کہ اخباری صحافت کے ادوار میں کسی صحافی کی پہچان بہت مشکل ہوتی ہے اور خطرات کے باوجود وہ اپنی صحافتی ذمہ داری انجام دینے سے نہیں کتراتے۔ آزاد میڈیا کے ماحول میں ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ رقم کو ٹیلی ویژن میں لگانے کے زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔ قانونی ہونے کے ان اقدامات کی حفاظت کیلئے ٹی وی نیوز آپریٹرز سیاسی طاقت بھی حاصل کر لیتے ہیں جو ان کے دیگر کاروباری مفادات کے تحفظ میں ان کی خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔

اخلاقیاتی طور پر یہ کمزور کلچر رویوں میں بھی سرایت کر جاتا ہے اور بلا آخر جن سرگرمیوں میں میڈیا ہاؤسز ملوث ہوتی ہیں صحافی بھی ان کا حصہ بن جاتے ہیں۔ میڈیا مالکان اکثر صحافیوں کو پریس کارڈز جاری کر کے ان کو خبریں لانے پر لگا دیتے ہیں اور انہیں رپورٹنگ کیلئے کسی قسم کے معاوضے کی ادائیگی نہیں کی جاتی۔ اس صورتحال میں صحافی بیک وقت کئی ملازمتیں کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایک صحافی جیو نیوز، خیبر اور این این آئی کیلئے رپورٹنگ کر رہا ہوتا ہے۔ یہ بات ایک صحافی نے مشن کے وفد کو ملاقات کے دوران بتائی۔ اپنی صحافت کو "badge" کے طور پر استعمال کرنے والے ایسے صحافیوں کے خطرات میں بھی اضافہ ہوا ہے کیونکہ یہاں پر مفادات میں ٹکراؤ کی کیفیت سامنے آجاتی ہے۔ ایسی بھی مثالیں موجود ہیں کہ پارٹ ٹائم کام کرنے والے صحافیوں کے ہوٹل یا اسلحہ کی دکانیں ہیں۔ کراچی، اسلام آباد میں محفوظ نیوز روم اینکرز کی تربیت بھی ایک مسئلہ کے طور پر سامنے آیا ہے۔ اینکر پرسن، فیلڈ میں موجود رپورٹر سے جب براہ راست سوالات پوچھتا ہے تو کبھی کبھار نادانستہ طور پر ایسے جوابات مل جاتے ہیں کہ اس سے فیلڈ رپورٹر کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

پنجاب کا جائزہ

راجہ ریاض احمد

پاکستان کے آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں صحافیوں کے سیفٹی کے مسائل دیگر صوبوں سے قدرے مختلف ہیں۔ کسی ایک صحافی کے بارے میں معلوم نہیں کہ انہیں پریشر گروپ، سرکاری سیکورٹی ایجنسیوں اور جرائم پیشہ عناصر نے ان کو قتل کیا ہو کیونکہ بالعموم

ایسے حملوں کو ان سے جوڑا جاتا ہے۔

پی ایف یو جے کی فیڈرل ایگزیکٹو کمیٹی کے رکن راجہ ریاض نے بتایا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے کوئی ایک مجرم بھی ابھی تک گرفتار نہیں کیا ہے۔ جیو نیوز کے رپورٹر کو 13 جنوری 2011ء کو کراچی میں قتل کیا گیا جس کی پولیس کے پاس ایف آئی آر بھی درج کی گئی لیکن حکام کسی ملزم کو گرفتار کرنا تو دور کی بات اس جرم کے ارتکاب کے چشم دیدہ گواہوں کو بھی تحفظ فراہم کرنے میں یکسر ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ اس کیس کے چشم دیدہ گواہوں، پولیس اور ایف آئی آر درج کرنے والوں کو چُن چُن کر قتل کر دیا گیا اور ملزمان نے سزا سے بچنے کیلئے تمام ثبوت مٹا دیئے۔

مشن نے اخذ کیا کہ لاہور میں ورکنگ جرنلسٹس کو متعدد مسائل کا سامنا ہے جن میں ملازمت کی سیکورٹی، تنخواہوں کی دیر سے ادائیگی اور صحافیوں کی بڑی تعداد کو انتہائی کم تنخواہ لینے پر مجبور کرنا شامل ہیں، مسائل کی جڑ کنٹریکٹ پر ملازمت کا رواج عام ہے۔ میڈیا اداروں کے مالکان اپنے ملازمین کو مستقل جاب لیٹر نہیں دیتے، فیلڈ رپورٹرز، کیمرہ مینوں اور فوٹو جرنلسٹس کیلئے سیکورٹی بنیادی تشویش کا باعث ہے کیونکہ اپنی حفاظت کیلئے سیفٹی آلات فراہم نہیں کیے جاتے۔

امجد حسین نے مشن کے بعد دورہ کرنیوالے صحافی وفد کو بتایا کہ:

> ''وہ ایک فوٹو جرنلسٹس ہے جو گزشتہ 15 برسوں سے مختلف اداروں کیلئے کام کر رہا ہے لیکن میری تنخواہ اب بھی اتنی کم ہے کہ اس سے بال بچوں کا پیٹ پالنا اور ان کی سکول فیس ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ میں اپنے روزمرہ کے امور بڑی مشکل سے چلا رہا ہوں۔ سیکورٹی الگ سے بڑا مسئلہ بن گیا ہے کیونکہ میرا ادارہ مجھے لائف سیونگ جیکٹ فراہم کرنے پر تیار نہیں۔ بم دھماکوں کے جگہوں کی کوریج کے دوران میں دو مرتبہ بال بال بچا۔''

ساتھی اور سینئر صحافیوں اور کبھی کبھار میڈیا ہاؤسز کے انتظامی سٹاف کی جانب سے خواتین رپورٹروں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے تجربات

آئی ایف جے وفد کے ممبر جناب ایکومریادی کی لاہور میں دُنیا ٹی وی کے مینجنگ ڈائریکٹر جناب نوید کاشف سے ملاقات۔ پنجاب یونین آف جرنلسٹس کے صدر جناب رانا عظیم بھی موجود ہیں۔

بھی رپورٹ ہوئے ہیں۔انہیں آسانی سے دستیاب جنس خیال کیا جاتا ہے۔پرنٹ میڈیا سے وابستہ خاتون صحافی گونیلا گل نے بتایا کہ:

''مرد صحافی ہمارے ساتھ برابری کی سطح پر سلوک نہیں کرتے بلکہ ہمیں معمولی صلاحیتوں کے حامل دوسرے درجے کے افراد سمجھتے ہیں۔کبھی کبھار میڈیا ہاؤسز کے انتظامی اہلکار ناگوار جنسی پیش رفت کی کوشش کرتے ہیں' ایک جیسے اسائنمنٹس پر کام کرنے کے باوجود خواتین صحافیوں کو ان کے مرد ساتھیوں کے مقابلے میں کم تنخواہیں دی جاتی ہیں۔''

دورہ کرنیوالے مشن نے دنیا نیوز کے ایم ڈی نوید کاشف سے بھی ملاقات کی جو چار بڑے میڈیا ہاؤسز میں سے ایک ہے۔دنیا نیوز کا اپنا ٹی وی چینل اور اخبار ہے۔سابق سرکاری ملازم کاشف نے مشن کو بتایا کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کیلئے معیاری آپریٹنگ طریقہ کار کو ترقی دی ہے اور کبھی بھی اپنے فیلڈ سٹاف کی زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈالا۔

دنیا نیوز صحافیوں کو کنٹریکٹ کی بنیادوں پر بھرتی نہیں کرتی بلکہ انہیں مستقل کردار دیئے جاتے ہیں۔انہیں لائف اور ہیلتھ انشورنس کے علاوہ تمام سطحوں پر پاکستان ویج ایوارڈ کے مطابق تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں۔

پنجاب کے دارالخلافہ لاہور جو میڈیا کا بڑا مرکز ہے میں صحافیوں سے مشکلات کے بعد مشن نے فیصلہ کیا کہ صوبہ کے شمال مشرقی چھوٹے شہر گوجرانوالہ کا دورہ کیا جائے اور وہاں پر مقامی اخبارات میں کام کرنیوالے فل ٹائم صحافیوں اور پاکستان کے بڑے شہروں میں واقع بڑے میڈیا ہاؤسز کیلئے خدمات انجام دینے والے نامہ نگاروں سے ملاقات کی جائے۔مشن نے مشاہدہ کیا کہ لاہور جیسے بڑے شہروں کے مقابلے میں گوجرانوالہ میں صحافتی حرکیات مختلف ہیں تاہم بطور صحافی روزمرہ حقائق تقریباً ایک جیسے ہیں۔

گوجرانوالہ ایسا شہر ہے جہاں سے مختلف نوعیت یعنی روزنامے' ہفتہ وار' پندرہ روزہ اور ماہانہ رسالوں کے تقریباً ایک سو شمارے شائع ہوئے ہیں' قومی عنوانات جیسے جنگ' نوائے وقت اور روزنامہ پاکستان نے یہاں پر اپنے بیورو دفاتر قائم کیے ہیں جبکہ روزنامہ ایکسپریس اور روزنامہ دنیا ریذیڈنٹ ایڈیٹر کی نگرانی میں مکمل دفاتر چلا رہے ہیں۔قومی ٹیلی ویژن چینلز نے بھی اپنے بیوروز قائم کیے ہیں اور بعض دیگر اخبارات نے یہاں سے نامہ نگار بھرتی کیے ہیں۔شہر میں پانچ خواتین اور تین کرسچن' پاکستان کی مذہبی اقلیت سمیت تین سو صحافی کام کر رہے ہیں۔

گوجرانوالہ میں فل ٹائم صحافی مقامی اخبارات کیلئے کام کر رہے ہیں اور نامہ نگار قومی اخبارات اور ٹی وی چینلز سے منسلک ہیں۔تمام صحافیوں میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ ان کو مالی مشکلات کا سامنا ہے اور میڈیا مالکان انہیں اتنی تنخواہیں ادا نہیں کرتے جس سے وہ روزمرہ کے اخراجات پورے کر سکیں۔میڈیا ہاؤسز کے ہاتھوں استحصال تمام سٹاف رپورٹروں اور نامہ نگاروں کی مشترکہ شکایات ہیں۔ان کے مطابق انہیں بہت کم تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں۔اس کے علاوہ کوئی میڈیکل کور یا بیماری کی چھٹی نہیں دی جاتی۔ان رپورٹروں کی اوسطاً تنخواہ پاکستانی کرنسی میں 8000 ماہانہ (80 امریکی ڈالر) بنتی ہے۔ان کو درپیش مسائل میں باقاعدگی سے تنخواہوں کی عدم ادائیگی دوسرا بڑا مسئلہ ہے۔چونکہ مقامی اخبارات کا زیادہ انحصار مقامی اشتہارات پر ہوتا ہے' آمدنی کے ذرائع محدود ہونے کے باعث ان اخبارات کے ساتھ کام کرنے والے صحافیوں کو کئی ماہ تک تنخواہیں ادا نہیں کی جاتیں۔تنخواہوں کی باقاعدہ ادائیگی کو یقینی بنانے کیلئے ان اداروں پر کوئی سرکاری چیک اینڈ بیلنس کا نظام موجود نہیں۔

بہت سے صحافیوں کو ان کے آجر ادائیگی نہیں کرتے۔ یہ ایک پریشان کن حقیقت ہے کہ قومی اخبارات کیلئے کام کرنیوالے نامہ نگاروں کو مشاہرہ ادانہیں کیا جاتا بلکہ حقیقت میں وہ الٹا سیکورٹی کی شکل میں بھاری رقم میڈیا مالکان کو ادا کرتے ہیں۔ایسے شہروں میں بڑے میڈیا ہاؤسز کے دفاتر کو چلانے پر اٹھنے والے اخراجات کے ذمہ دار بھی یہ نامہ نگار ہوتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر میڈیا مالکان کیلئے اشتہارات کے ذریعے آمدنی پیدا کرنا بھی ان کی ذمہ داریوں کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔کسی زیادہ بولی دینے والے شخص کی جانب سے ان کی جاب سیکورٹی کو آسانی کے ساتھ اندر سے کھوکھلا کیا جاسکتا ہے۔اس صورتحال میں پیشہ ورانہ معیار اور غیر جانبداری سختی سے متاثر ہوتی ہے۔

یہ صحافی پیشہ ورانہ تربیت سے عاری ہوتے ہیں اور ان کی تعلیم بھی کم درجہ کی ہوتی ہے۔اس پیشہ میں اپنے وجود کو قائم رکھنے کی ساری سمجھ بوجھ سینئرز سے حاصل شدہ تجربات پر منحصر ہوتی ہے۔ یہ سینئر صحافیوں میں خود بھی پیشہ ورانہ مہارت کی کمی ہوتی ہے۔میڈیا مالکان ان صحافیوں کو اس وقت کوئی سپورٹ یا تحفظ فراہم نہیں کرتے جب انہیں جرائم پیشہ گروپوں' سیاسی جماعتوں اور سرکار کی جانب دھمکیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ ایسے شہروں میں صحافیوں کو ان کام کی مقصدیت پر سمجھوتہ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

پنجاب میں مشن کے نتائج

پی ایف یو جے کی توجہ صحافیوں اور ان حقوق کے تحفظ کا دفاع کرنے پر مرکوز ہے۔ایڈیٹرز اور مالکان کے گروپ سرکاری حکام کے ساتھ جب بھی رجوع کرتے ہیں، اکثر و بیشتر آمدنی اور اشتہارات سے متعلق ہی بات چیت کرتے ہیں۔ ان گروپس میں پاکستان میں شائع ہونے والے اخبارات کے ایڈیٹرز کی کونسل (سی پی این ای)، آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی (اے پی این ایس) اور پاکستان براڈ کاسٹرز ایسوسی ایشن شامل ہیں۔کہا جاتا ہے کہ سی پی این ای پر ان مدیران کا کنٹرول ہے جو کہ مالک بھی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کے اہم اجلاسوں میں کارکن ایڈیٹرز کو کم ہی بھیجا جاتا ہے۔ میڈیا کے بعض گروپ میڈیا کی آزادی اور سماجی وسیاسی مقاصد کیلئے جدوجہد کرنے میں زیادہ فعال کردار ادا کرتے ہیں، جیسا کہ حدود قوانین کے معاملے پر جیو نے کردار ادا کیا۔جبکہ ایسا بھی نظر آرہا ہے کہ مالکان نے یہ فیصلہ بھی کرلیا ہے کہ مزید سماجی مقاصد کیلئے بھی آگے بڑھ کر کام کیا جائے گا جیسا کہ جیو تعلیم سے متعلق ایک مہم میں سرگرم عمل ہے۔جنگ گروپ کی جانب سے پاکستان اور بھارت کے درمیان دوستی کے فروغ کیلئے امن کی آشا کے نام سے ایک مہم شروع کی گئی اور اس مہم پر ذرائع ابلاغ کے دیگر اداروں کی جانب سے ہونے والے مخالفانہ حملے بھی رک گئے۔میڈیا گروپس کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ' کام کرنے والے ایڈیٹرز' کے کردار کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں، عام رواج یہی ہے کہ مالک ہی ایڈیٹر ہوتا ہے۔اے پی این ایس کے ارکان، سی پی این ای کے رکن بھی ہوتے ہیں، وہ سابقہ تنظیموں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں جو مالی یا اقتصادی فوائد کیلئے جدوجہد کرتی ہیں بالمقابل ان نئی تنظیموں کے جو ادارتی آزادی کیلئے بعد ازاں قائم کی گئیں۔ایک مالک ایڈیٹر نے کہا:"میں ایک خالص ایڈیٹر ہوں. میں اشتہارات کے حصول کیلئے نہیں جاتا۔ میں سرکاری اشتہارات کے حصول کیلئے کبھی حکومت کے پاس نہیں گیا ہوں۔ایک اور جواب دہندہ نے بتایا کہ سی پی این ای کے 80 فیصد ارکان اخبارات کے مالکان خود ہیں۔ایک ایسا صحافی، جو کہ قدرے مبہم ہے، اس کا مشاہدہ ہے کہ "پی ایف یو جے اور سی پی این ای کے درمیان بات چیت نہیں ہوتی، ان دونوں اداروں میں کوئی میل جول نہیں ہوتا"

سیاسی جماعتوں اور حکومت کی طرف جو اشتہارات دیئے جاتے ہیں وہ اثر انداز ہونے کا ایک ذریعہ ہیں۔ جبکہ حکومت کا اس ضمن میں متحرک کردار تجارتی مقاصد کیلئے اشتہار دینے والوں، خاص طور پر ٹیلی کام، جائیداد کی خرید وفروخت، کثیر القومی کاروبار کرنے والے کچھ شعبوں کیے مقابلے میں قدرے کم ہوا ہے یہ شعبے رپورٹنگ کا گلا گھونٹنے کیلئے اب کافی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس ضمن میں سیاسی جماعتیں ایک نئی شمولیت ہیں۔ عام انتخابات جو شاید مئی یا جون میں منعقد ہوں، ان آنے والے عام انتخابات سے متعلق ہونے والی اشتہار بازی ذرائع ابلاغ کے اداروں، خواہ وہ پرنٹ میڈیا کے ہوں یا الیکٹرانک میڈیا کے، ان کیلئے ایک بیش قیمت ذریعہ ہوسکتی ہے۔ کیونکہ سیاسی جماعتوں کی جانب سے بھاری معاوضوں کے عوض اشتہارات شروع کرنے کا رجحان شروع ہو چکا ہے۔ ان انتخابات سے قبل تین نئے چینل متعارف ہونے کی امید کی جارہی ہے۔ اس عرصے کے دوران خدشہ یہ ہے کہ رپورٹرز پر انفرادی قسم کا دباؤ بڑھ جائے گا۔ 'انتخابات کا موقعہ ذرائع ابلاغ کے کئی اداروں، جو کہ خسارے میں چل رہے ہیں، کیلئے بڑی حاصلات کا حامل وقت ثابت ہوسکتا ہے'، ایک صحافی نے اس مشن سے بات چیت کے دوران کہا۔

صحافیوں کیلئے جو چیز تبدیل ہوئی ہے، وہ براہ راست سرکاری دباؤ ہے، جو کہ 1980 کی دہائی کی نسبت بہت کم ہوا ہے۔ اب ان کی سلامتی کیلئے سب سے بڑا خطرہ غیر ریاستی عناصر اور خفیہ ایجنسیز کی جانب سے ہے۔ 'اب جیسے کہ ہمیں نمٹنا پڑ رہا ہے، عسکریت پسند گروہوں کے مقابلے میں ریاست کے ساتھ نمٹنا قدرے آسان تھا'۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ جنرل پرویز مشرف کے اقتدار کے دنوں میں حکومت کی جانب سے جو دباؤ آتا تھا اب وہ دوسرے اطراف، زیادہ تر سیاسی جماعتوں کی طرف سے آتا ہے۔ وہ اب اس بات کی بھی نگرانی کرتے ہیں کہ رپورٹرز انفرادی طور پر کیا کرتے ہیں، اس حد تک وہ ٹی وی اسکرین پر چلنے والے 'ٹکرز' پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں صحافیوں کی 'جاسوسی' کرنے کا اہتمام بھی کرتی ہیں۔ اس ضمن میں کراچی پر خاص توجہ دی جاتی ہے کیونکہ کراچی میڈیا کا بہت بڑا مرکز ہے۔ صحافیوں پر پڑنے والے حکومتی دباؤ والے ادوار کے تناظر میں آج کے وقتوں میں آنے والے دباؤ کو نئے سرے سے سمجھنا ضروری ہے، اب اس میں مسلح گروہوں (بشمول انٹیلی جنس ادارے)، سیاسی جماعتیں، انتہا پسند گروپ بھی شامل ہیں۔ اب تو معاشی اعتبار سے بازو مروڑنے کے علاوہ 'آواز کو دبانے' کی خاطر قتل کی وارداتیں بھی عمل میں لائی جاتی ہیں۔ حکومت کا تشہیر سے جڑا اثر ورسوخ گو کہ کم ہوا ہے پھر بھی پرنٹ میڈیا کو اشتہارات کی مد میں دستیاب مارکیٹ کا 3 فیصد حصہ حکومت کی جانب سے میسر ہوتا ہے۔

مشاہدے میں آیا ہے کہ ذرائع ابلاغ کے بیشتر ادارے اپنے کارکنوں کو ضروری تربیت دینے میں بہت کم دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایک صحافی نے بتایا:

> ''صحافیوں کی تعداد میں گزشتہ کچھ سالوں کے دوران تیزی سے اضافہ ہوا ہے، لیکن کام کے معیار میں اسی اعتبار سے بہتری واقع نہیں ہوئی۔ پی ایف یو جے کو درپیش چیلینجز میں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ پریس کلبوں میں موجود کرپشن کے ساتھ لڑائی کس طرح لڑی جائے''۔

ٹی وی چینلز کیلئے اکثر صحافی ملازمت کے تحفظ کے بغیر قلیل مدت کے معاہدوں کی بنیاد پر کام کر رہے ہیں جبکہ پرنٹ میڈیا میں مستقل اسامیوں کیلئے ملازمت کرنے والے کارکنوں کی تعداد بھی تیزی سے سکڑ گئی ہے۔ صحافیوں کی تربیت، آزادی صحافت کیلئے پاکستانی میڈیا کی جانب سے کی گئی جدوجہد اور ذرائع ابلاغ کی ارتقاء سے متعلق رکارڈ پر مبنی تاریخ سے کم علمی کی وجہ سے بھی متاثر ہوئی ہے۔ نظریوں آرہا

ہے کہ ٹیلی ویژن کی چمکتی دمکتی ملازمتیں کرنے والے چند لوگوں اور مستقل طور پر صحافت کرنے والوں کیلئے ملازمت کا تحفظ اور تنخواہ کے معاملے میں بہت بڑی تفریق موجود ہے۔ صحافی تنظیموں کی کثرت جو کہ نامہ نگاروں، فوٹو گرافروں، ڈیسک ایڈیٹرز اور دیگر کی جانب سے بنائی گئی ہیں، ان کے متعلق بھی کچھ خدشات کا اظہار کیا جاتا ہے، کیونکہ محسوس یوں ہوتا ہے کہ یہ تنظیمیں سہولیات تک رسائی اور فوائد حاصل کرنے کی غرض سے بنائی جاتی ہیں۔

انگریزی زبان والی میڈیا کیلئے سیاست سے فاصلے پر رہنے والے اس کے روئے کی وجہ سے دباؤ والے خطرات بہت کم ہیں۔ 'ہمیں ابھی تک طالبان سے کوئی مسئلہ نہیں' انگریزی زبان میں شایع ہونے والے ایک روزنامے کے ایک صحافی نے کہا۔ انگریزی زبان میں شایع ہونے والے اخبارات کے کچھ رپورٹرز اس وقت غیر محفوظ ہو گئے جب وہ کسی ٹی وی چینل کی نشریات میں شامل ہوئے اور اردو میں بات کی۔ انگریزی اخبارات زیادہ تر وہ لوگ پڑھتے ہیں جو کہ سرکاری، فوجی، مالی امداد دینے والے اداروں، سفارتخانوں اور غیر سرکاری شعبوں (قومی یا بین الاقوامی دونوں قسم کی ملازمتیں) میں ملازمت کرتے ہیں۔ چونکہ اب انگریزی زبان پڑھنے والوں کا حلقہ وسیع ہو رہا ہے یہی وجہ ہے کہ خطرے کی وسعت بھی بڑھ رہی ہے۔

عسکریت پسند گروہ صحافیوں کی نگرانی بہت محتاط انداز سے کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ صحافی کی جانب سے کون سی خبر دی گئی ہے اور کس زاویے سے دی گئی ہے اور جو سرخ لکیر کو پار کر جاتے ہیں انہیں لوگوں کو للکارا جاتا ہے۔ ایسا ہی کچھ ڈینیئل پرل اور سلیم شہزاد کے ساتھ ہونے والے واقعات میں بھی سامنے آیا۔ سلامتی، اب ایک ایسا نقطہ ہے کہ جس کی وجہ سے اب صحافی جب بھی کسی اسائنمنٹ پر کام کرنے جاتے ہیں تو ایک جماعت کی صورت میں ہی جاتے ہیں۔ سندھی، پشتو یا اردو بولنے والے صحافیوں کو جماعت میں شامل کرنے سے رابطے میں آنے والے لوگوں کے مختلف گروہوں کے ساتھ نمٹنے میں مدد مل جاتی ہے۔ خاص طور پر سندھ اور بلوچستان میں ہونے والے فرقہ وارانہ تشدد کے پس منظر میں عسکریت پسندوں نے، عقائد یا وابستگی سے قطع نظر صحافیوں کے خاکے ان کے نام کے اعتبار سے ترتیب دیئے ہوئے ہیں۔ عملی میدان میں صحافیوں کو ایک سے زائد آجروں کیلئے کام کر پر دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ جب بھی کبھی مصیبت سے دوچار ہو جائیں یا ہلاک کر دیئے جاتے ہیں تو آجروں کی طرف سے یہ احساس ذمہ داری دیکھنے کو نہیں ملتا کہ وہ کسی مدد کے ساتھ آگے آئیں۔ ذرائع ابلاغ کے اداروں کی جانب سے آمدنی دگنی کرنے کی غرض سے صحافتی پیشہ ورانہ اصولوں کو بھی قربان کرتے ہوئے صحافیوں کو کہا جاتا ہے کہ اشتہارات کے حصول کیلئے بطور ایجنٹ بھی کام کریں۔ گو کہ اس سے یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ صحافی معاشی تحفظ کی ضمانت کی یقین دہانی حاصل کر لیتے ہیں (اور اس طرح وہ ایک سے زائد اداروں کیلئے کام کرنے سے بچ جاتے ہیں) لیکن اس کی وجہ سے صحافتی اقدار کو قربان کرنا پڑتا ہے۔

پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے دو مختلف ذرائع کے مالکانہ حقوق رکھنے پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ یہ جنگ 2005 میں شکست زدہ ہوئی، بتایا جاتا ہے کہ، حد تو یہ تھی کہ پی ایف یو جے کی جانب سے متنبہ کیا گیا کہ اس سے چند افراد کی اجارہ داری قائم ہو جائے گی اور وہ اپنے مفادات کی خاطر حکومت وقت کو بلیک میل کرتے رہیں گے۔ جداگانہ ذرائع کی ملکیت ایک ہی ادارے کو حاصل ہونے کی فہرست میں بشمول جیو، ایکسپریس، ڈان، دنیا، کے ٹی این۔ سندھ، اپنا ٹی وی، آج، نوائے وقت اور دیگر شامل ہیں۔ جن کے پاس کراس میڈیا کے مالکانہ حقوق نہیں ہیں لیکن وہ بھی اس کے حصول کی تگ و دو میں مگن میں ہیں۔

شدت پسند گروپوں سے نمٹنا اور سرکاری سیکورٹی خدشات

پاکستان کے بعض حصوں میں یہ صورتحال دیکھنے میں آئی ہے کہ صحافیوں کیلئے خطرات میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے جبکہ اس بات کی بھی کوئی یقین دہانی نہیں ہوتی کہ ریاستی ایجنسیاں جن کی ذمہ داری ہے کہ وہ تحفظ اور سلامتی یقینی بنائیں وہ ان صحافیوں کی حفاظت اور سیکیورٹی سے متعلق کوئی یقین دہانی دے سکیں۔ صحافی اکثر اوقات اس قوت سے محروم ہوتے ہیں کہ وہ آنے والے دباؤ کی مزاحمت کرسکیں جو کہ سیاسی جماعتوں، غیر ریاستی عناصر اور ذرائع سے ان پر ڈالا جاتا ہے۔ ایک سنگین اخلاقی بحران پہلے ہی صحافیوں کے ساتھ موجود رہتا کہ جس کی وجہ سے وہ جرائم پیشہ گروہوں سے ایک فاصلے پر رہتے ہیں اور ان کے متعلق خبریں دینے سے قاصر ہوتے ہیں۔ خاص طور پر صوبہ بلوچستان میں کہ جہاں علیحدگی پسندوں اور حکومت پاکستان کے مسلح اداروں کے درمیان ایک تنازعہ جاری ہے، صحافیوں کیلئے انواع اقسام کی مشکلات کھڑی کردی ہیں۔ ادارتی تبصروں میں اکثر سیاسی ہمدردی کا اظہار جیسا کہ اکثر اوقات کیا جاتا ہے، یہ ایسے ہے کہ جیسے اپ خود عذاب کو دعوت دے رہے ہوں۔ مزید برآں، تنازعے میں شامل کسی ایک فریق کے نقطہ نظر کو رپورٹنگ میں پیش کرنا عام طور پر دوسرے فریق کو اپنا دشمن بنانے کے مترادف ہے۔

انہی حالات کے پیش نظر، ایک ضابطہ اخلاق جو کہ صحافیوں کی جانب سے خاص طور پر پرخطر علاقوں کیلئے ترتیب دیا گیا ہے یہ ضابطہ اخلاق مشترکہ خطرات سے نمٹنے کی سمت میں اہم قدم ہوگا اور اس کو میڈیا کے طرز عمل کے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا جس کے بعد کسی واقعے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔ بھارت کے علاقے منی پور کے ایک مثال کی طرح کہ جہاں صحافیوں نے ایک مشترکہ ضابطہ اخلاق مرتب کیا، کچھ ایسا کہ جو اپنی طرف سے دیا جاسکے۔ منی پور کا ضابطہ اخلاق مقاصد کے ایک پیچیدہ مرکب سے برآمد کیا گیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ خبریں دینے کے عمل سے متعلق ادارتی آزادی کو دوبارہ حاصل کیا جاسکے، جب اختلاف رائے پر مبنی آوازوں کو منصفانہ کوریج دینا مقصود ہو اور یہ بھی ثابت کرنا ہو کہ میڈیا محض اس انداز سے کام نہیں کرسکتا کہ وہ تشدد کی کارروائیوں کو پیش کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔

میڈیا کیلئے سب سے پہلا چیلنج اختلاف رائے پر مبنی ان آوازوں کی نشاندہی کرنا ہوتا ہے جن کو قطع نظر اس کے کہ قانون کی نظر میں ان کی حیثیت کیا ہے منطقی طور پر میڈیا میں کس طرح نمائندگی دی جائے۔ ایک بنیادی اطلاق جو کہ میڈیا کی جانب سے لاگو کردیا گیا یہ ہے کہ ہر ایک بیان یا دعویٰ کے ساتھ ایک شناخت کے قابل 'ذریعے' کی نشاندہی ہر صورت کی جائے گی۔ اور اس صورت میں کہ ذریعہ ایک مرتبہ شناخت کرلیا گیا، اس کے بعد ایڈیٹر فیصلہ کرے گا کہ اس کا بیان کتنا مستحکم ہے اور اس کو کس حد تک مناسب پذیرائی دی جائے گی۔ اسی انداز سے پریس کانفرنس کیلئے کوئی بھی دعوتنامے کا بھی کوئی قابل شناخت ذریعہ ہونا لازم ہے جبکہ پریس ریلیز کا بھی مطلوبہ انداز میں دستخط شدہ ہونا لازم اور اس پر تنظیم کی مہر کا ثبت ہونا اشد ضروری ہے۔ تمام کے تمام دعوتنامے اور پریس ریلیز متعلقہ تنظیم کی جانب سے ہی تقسیم ہونا چاہئیں جبکہ کسی بھی طرح کوئی صحافی یا کوئی ذرائع ابلاغ کا ادارہ کسی سیاسی گروپ کی جانب سے اس کی کوئی ذمہ داری اٹھانے کا مجاز نہیں ہوگا۔

کسی تنازعے کی صورتحال میں صحافیوں کیلئے اکثر اوقات جانے انجانے یا خواہش کے تحت مشکلات پیدا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ کئی سیاسی گروپوں، بشمول زیر زمین کام کرنے والی مسلح تنظیمیں بھی شامل ہیں، ان کے موقف کا حصول اپنی ذمہ داری پر سامنے لاتے ہیں۔ ایک مرتبہ اگر رواداری کی حد صفر ہونے کا اعلان کردیا جائے گا اور اس کو وسیع انداز سے نشر کردیا جائے گا تو گروپس خود ہی باعزت

انداز سے اس کے قائل ہو کر اس کا احترام کریں گے۔ اور اسی طرح سے صحافی خود کو کسی سیاسی گروپ کیلئے اپنی خدمات رضا کارانہ انداز سے فراہم کرنے سے پیشگی طور پر باز رہ جائیں گے۔ منی پور کوڈ بھی اسی طرح کا دعویٰ کرتا ہے کہ جب ایک دوسرے کے مخالفانہ بیانات تنظیموں کی جانب سے سامنے آئیں تو سب سے پہلے دیگر ضروریات سے قبل ان کی تصدیق کرنا لازم ہے، اور جب ایڈیٹر اپنی صوابدید استعمال کرنے کے نقطے پر پہنچے گا تو بسا اوقات دونوں فریقین کو برابر جگہ دے گا۔ اگر ایسے کسی بیان میں کسی طرح بھی انسانی زندگی کیلئے دھمکی شامل ہے تو ایڈیٹر کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ ایسے مجرمانہ کلمات کو بیان سے حذف کر دے گا۔

ایسی صورتحال میں کہ جہاں جائز توقعات یا خدشات ہوں کہ کوئی مخصوص خبر دو فریقین کے درمیان کشیدگی بڑھانے یا جرم کی فضا کو ہموار کر سکتی ہے ایسی صورتحال میں ایڈیٹر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس خبر کو حذف یا ترک کر دے گا۔ اس تمام صورتحال میں لیکن یہ ضروری ہوگا کہ باریک سے باریک شکایات بھی متعلقہ ادارے کے ایڈیٹر کو لکھے جانے والے خط کی صورت میں نمٹا دیا جائے گا، مقامی سطح کی تنظیم اولین ادارہ ہوگی کہ جس کی معرفت متاثرہ شخص کی جانب سے رابطہ کیا جائے گا۔ مقامی سطح کی تنظیم متعلقہ شکایت شفاف اور طے شدہ اصولوں کے مطابق حل کرے گی۔ اور اگر اس ضمن میں ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کی جائے گی تو اس کے خلاف مناسب پابندیاں عائد کی جائیں گی۔

اس بات کو دہرانے کی ضرورت نہیں لیکن منی پور ضابطہ اخلاق کے ساتھ بھی سب سے نمایاں مسئلہ یہی ہے کہ اس ضابطے کی بار بار خلاف ورزیوں کو روکنے کیلئے جو پابندیاں عائد کی جاتی ہیں ان پر عملدرآمد کیسے کروایا جائے۔ پریشانی کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ منی پور میں وسیع پیمانے پر تعینات سیکیورٹی فورسز اور ریاستی حکومت کا رویہ اس جانب بیگانگی والا ہے۔

ضابطے پر عملدرآمد کی ضمن میں ایک پیچیدہ مسئلہ یہ بھی ہے کہ دیگر شراکت دار بالخصوص ذرائع ابلاغ کے اداروں کے مالکان اس سے اپنی وابستگی ظاہر نہیں کرتے۔ منافعے کے حصول اور سیاسی منشائیں ہونے کی وجہ سے میڈیا ہمیشہ پیشہ ورانہ تضادات کا شکار رہتا ہے۔ صحافی تنظیموں کو چاہئے کہ وہ اس مسئلے کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ ہوں تاکہ منافع کمانے سے جڑی مجبوریوں کی بنا پر پیشہ ورانہ اخلاقیات اور سلامتی کو قربان نہیں کیا جانا چاہئے۔

سزاء سے استثنیٰ کے خلاف جدوجہد

پاکستان میں زندگی سے جڑی حقیقتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ 2002 میں امریکی صحافی ڈینیئل پرل سمیت، کسی صحافی کے قتل، اغوا یا اس کو جس بیجا میں رکھنے کا کوئی بھی مقدمہ عدالتوں میں کبھی نہیں لایا گیا۔ ایسا بہت ہی کم ہوا ہے کہ کسی صحافی کے خلاف ہونے والے جرم کی ابتدائی تفتیش کیلئے پولیس کی طرف سے ایف آئی آر درج کی گئی ہو۔ خوف اور ڈر کی صورتحال کی وجہ سے ایسا تقریباً ہمیشہ ہی ہوتا ہے۔

2011 میں جیو نیوز کے رپورٹر ولی خان بابر کے قتل کے بعد پانچ ممکنہ گواہوں کو کراچی میں جیسا کہ محسوس کیا گیا، نشانہ بنا کر قتل کر دیا گیا۔

2005 میں حیات اللہ خان کی اغوا اور بعد ازاں اسے چھ ماہ قید میں رکھنے کے بعد 2006 میں اس کے قتل کے بعد تحقیقات کیلئے ایک عدالتی کمیشن قائم کیا گیا، اس کمیشن نے اپنی رپورٹ صوبہ خیبر پختونخوا کے گورنر کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ کمیشن کی مذکورہ رپورٹ کبھی منظر عام پر نہیں لائی گئی۔ حیات اللہ خان کے قتل کے بعد بے چینی اور تشویش کی لہر اس وجہ سے بھی پھیلی کیونکہ یہ واقعہ حیات اللہ خان کی جانب سے

دی گئی ایسی خبروں کے بعد ہوا جس میں اس نے باضابطہ حکومتی موقف کے برعکس ایسے سوالات اٹھاتے ہوئے یہ کہنے کی کوشش کی تھی کہ صوبہ خیبر پختونخوا یا فاٹا میں ہونے والے بعض واقعات میں غیر ملکی فورسز عملی طور پر زیادہ فعال ہیں جب کہ حکومت اس موقف کو تسلیم کرنے کیلئے بالکل تیار نہ تھی۔ حیات اللہ خان کے قتل کی عدالتی تحقیقات کرنے والی کمیشن میں شامل جج سردار محمد رضا نے رپورٹ جمع کرانے کے بعد کچھ انٹرویوز دیئے جن سے رپورٹ میں دیئے گئے نتائج کے متعلق کسی بات کا علم نہیں ہو پاتا۔ یہ رپورٹ 2007 میں جمع کرائی گئی ہے تاہم یہ ابھی تک خفیہ رکھی گئی ہے۔

سید سلیم شہزاد کے قتل کی تحقیقات سے متعلق جنوری 2012 میں پیش کی گئی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کی یہ واردات کتنی تکلیف دہ تھی۔ جیسا محسوس کیا گیا صرف شہزاد کا خاندان یا صحافی برادری ہی 'صدمے کی کیفیت سے دوچار' نہیں تھے، بلکہ عام لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی صدمے سے دوچار تھے۔ جب سے ''شبے کی زد میں آنے والوں کا جال تیار ہونے لگا دیگر کے ساتھ ریاستی ادارے بھی اس میں شامل ہو گئے جو کہ بذات خود ریاست ہیں''۔

اس قتل کی تحقیقات کیلئے تشکیل دی گئی کمیشن کے جسٹس میاں ثاقب نثار کی جانب سے دیئے گئے انٹرویوز سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ 'اس قتل کے پسمنظر میں جو محرکات موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ دہشتگردی کے خلاف جنگ کے معاملات سے جڑا ہوا ہے'۔ یہ نتیجہ اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے کہ ایک تحقیقی رپورٹر کی حیثیت سے سلیم شہزاد کی جانب سے لکھی گئی باتیں دہشتگردی کے خلاف جنگ میں شامل تمام فریقین، بشمول پاکستانی ریاست، غیر ریاستی عناصر جیسا کہ طالبان، القاعدہ اور دیگر غیر ملکی عناصر کے غصے کو بھڑکا گئیں اور شاید ایسا ہی ہوا۔

کمیشن ان تمام مختلف نوعیت کے عناصر میں سے کسی ایک کو اس طرح واضح کر سکتی ہے کہ 'جرم کے ارتکاب کا مقصد کیا تھا'۔ ایک صحافی کی حیثیت میں سلیم شہزاد واضح طور پر ان سب سے رابطے میں تھا۔ کمیشن ایسے امکانات کو کسی طور پر مسترد نہیں کر سکتا جن کی بنا پر اس واقعہ کو کچھ گواہوں نے 'الیاس کشمیری پر ہونے والے ڈرون حملے' کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ الیاس کشمیری انتہائی اہمیت کا حامل ایک مذہبی عسکریت پسند تھا جو کہ پاکستان کے شمالی علاقوں میں سرگرم عمل تھا جس کے متعلق ماضی میں کئی خبریں آتی رہیں کہ وہ ہلاک ہو چکا ہے، تب تک کہ جب سلیم شہزاد نے 2010 میں اس کا ایک انٹرویو کر کے سادہ سے انداز سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ زندہ ہے اور وہ افغانستان اور اس سے ملحقہ وسیع علاقے میں شورش برپا کرنے میں ملوث ہے۔

نثار کمیشن اس نقطے کو خارج از امکان قرار نہیں دیتی کہ ہو سکتا ہے کہ ایسے کچھ ایجنسیز ایسی ہو سکتی ہیں کہ جن کو الیاس کشمیری کے ٹھکانوں کا پتہ لگانے میں دلچسپی ہو اور اسی وجہ سے ان ایجنسیوں نے سلیم شہزاد کو اٹھایا ہو۔ ڈرون حملہ جس میں الیاس کشمیری ہلاک ہوا وہ سلیم شہزاد کی اغوا کے چار دن بعد ہوا۔ مفروضوں کو منظر عام پر لانے سے قبل، کمیشن کو یہ قبول کرنا چاہئے کہ ایسا ہو چکا ہے کہ اس قتل میں ملوث اصل گناہگاروں کی نشاندہی کرنے سے وہ قاصر رہے ہیں، قطع نظر اس کے کہ بہت مشکل ہونے کے باوجود انہوں نے ٹھوس ثبوتوں، ٹھوس مواد، براہ راست یا حالات کی بنا، کہ جن کی مدد سے اس قتل میں ملوث کئی فریقین میں سے کسی ایک اصل مجرم کی نشاندہی کی جا سکے۔

اس ناکامی یا نااہلی کو تسلیم کرتے ہوئے کمیشن کو چاہئے کہ وہ مجاز حکام کو تمام نوعیت کی تحقیقات عام حالات میں قانون کے مطابق ہونے والے انداز سے جاری رکھنے کی ضرورت پر اصرار کرے اور ایسے تمام لوگوں سے بغیر کسی خوف کے موزوں انداز سے تفتیش کی جائے کہ جن سے تفتیش ہونی چاہیے۔ کمیشن کے ریاستی ایجنسیوں کے کام کرنے کے طریقے سے متعلق کئی نتائج کو خوش آمدید کیا گیا جیسا کہ ایک نتیجہ یہ

ہے کہ 'توازن راز رکھنے میں اور احتساب میں انٹیلی جنس معلومات کو اکٹھا کرنے میں مناسب انداز سے از سر نو متعین ہونا چاہئے اس خواہش کے ساتھ کہ عوام کا ریاست کے تمام اداروں پر اعتماد بحال ہو سکے'۔

اس کا ایک ڈھیلا ڈھالا اختتام بھی بنایا جا سکتا ہے کہ زیادہ اہم سمجھی جانے والی انٹیلی جنس ایجنسیاں جیسا کہ انٹر سروسز انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) اور انٹیلی جنس بیورو (آئی بی) کو اس طرح بنا لیا جائے کہ 'ان کو اپنے کردار اور اختیارات کے مطابق اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے قانون کے زیادہ تابع ہونا چاہئے، اور میڈیا کے ساتھ انہیں ادارہ جاتی سطح پر انتہائی محتاط انداز سے رابطہ رکھنا چاہئے جس کو مستقل طور پر ریکارڈ بھی کیا جانا چاہیے۔ جب کہ تمام ایجنسیوں کے اندرونی انتظامی جائزے کے مطابق ایک مناسب طریقہ کار کے تحت موثر انداز سے مزید جوابدہ بنایا جانا چاہیئے، ان پر پارلیمنٹ کی نگرانی ہونی چاہئے، اس کے ساتھ ہی انسانی حقوق سے متعلق محتسب کا فورم بھی تشکیل دیا جائے جو عدالتی طرز پر ایجنسیوں کے خلاف شہریوں کی شکایات کا ازالہ کرے خاص طور پر میڈیا کی شکایات جو کہ حراساں کرنے، نقصان پہنچانے یا تنگ کرنے سے متعلق ہوں۔

گو یہ کہ یہ کمیشن کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا لیکن کمیشن یہ سفارش بھی کر سکتا ہے کہ 'میڈیا کے اداروں کو استحکام بخشتے ہوئے ان اداروں کے قوانین کے مطابق زیادہ سے زیادہ قانون اور احتساب کا پابند بنایا جائے تا کہ اس کے خلاف ہونے والی جائز شکایات کا بھی ازالہ ہو سکے۔

کچھ مبصرین نے محسوس کیا ہے کہ یہ سفارش کسی سیاق وسباق سے ہٹ کر بنائی گئی ہے، کیونکہ یہ اس نقطے کے ساتھ موزونیت نہیں رکھتی اور اور بلکل الگ معاملات سے متعلق ہو۔ جیسا کہ عام طور پر جنوبی ایشیا میں سرکاری سطح پر صحافت کے خلاف مظالم بڑھنے پر موقف دیا جاتا ہے ممکنہ طور پر اس پیغام رساں کو بھی اسی طرح کا الزام دیا گیا ہو۔

نثار کمیشن رپورٹ کو پاکستان میں کم شدت والا ردعمل حاصل ہوا، جس میں پاکستان کے اہم ترین اداروں کے تعلقات کی نزاکت کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ گو کہ کمیشن کی اس سفارش کو بہت بڑے پیمانے پر عوامی پذیرائی حاصل ہوئی کہ جس میں کہا گیا کہ انٹلی جنس ایجنسیوں کے کچھ حصوں کو پارلیمنٹ کی زیر نگرانی لایا جائے۔

امریکہ میں قائم عالمی تنظیم ہیومن رائیٹس واچ نے حکومت پاکستان سے اصرار کیا ہے کہ نثار کمیشن کی نامکمل رپورٹ سامنے آنے کے بعد سلیم شہزاد کے قاتلوں کو ڈھونڈنے کیلئے ہونے والے اقدامات کو دگنا کرنا ہوگا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کو اس شک سے مکمل طور پر بری الذمہ قرار نہیں دیا گیا۔ ہیومن رائیٹس واچ کی جانب سے نقطہ اٹھایا گیا ہے کہ ابتدائی تحقیقات میں انٹیلی جنس ایجنسیوں کے اہلکاروں کو تفتیش کے سنجیدہ دائرے میں لانے سے متعلق ہونے والی ناکامی کی وجہ سے تفتیش کا پورا عمل برے طریقے سے متاثر ہوا ہے۔ سلیم شہزاد کے قتل کے بنیادی خاکے میں ٹھوس رنگ بھرنے میں کمیشن کے ناکام ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ آئی ایس آئی میں یہ قابلیت اب بھی موجود ہے کہ وہ پاکستان میں جرائم سے متعلق انصاف دینے کے نظام کی پہنچ سے اب بھی بہت آگے ہے'۔ یہ بھی کہا گیا کہ حکومت پر اب بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کی نشاندہی کرے کہ جو سلیم شہزاد کے قتل میں ملوث ہیں اور انہیں قابل احتساب بنایا جائے اس کے نتیجے میں شواہد چاہے کہیں بھی لے جائیں'۔ سلیم شہزاد اور دیگر تمام صحافی جو کہ پاکستان میں کئی سالوں پر محیط بحران کے دوران مارے گئے، ان کیلئے انصاف کا حصول درحقیقت اب بھی رسائی کے قابل نہیں ہو سکا۔

تنخواہ اور کام کے حالات

حالیہ برسوں میں پاکستان کی میڈیا انڈسٹری کی جانب سے قومی قانون کے تحت صحافیوں کو منصفانہ اجرتوں اور کام کے حالات کی یقین دہانی میں بڑھتے ہوئے سقم سامنے آئے ہیں۔ پاکستانی صحافیوں کیلئے NECOSA کے حقوق کا بنیادی چارٹر ہے جس میں منصفانہ اجرتوں اور کام کے موزوں حالات کی فراہمی کیلئے میڈیا کی آزادی کی ضمانت کو مکمل طور پر اہم حصہ سمجھا گیا ہے۔ اس کے باوجود قومی قانون کے تحت متعین کردہ کم از کم اجرت کی سطح کو شاذ و نادر ہی ادا کیا جاتا ہے جبکہ ملازمت کی حفاظت کی یقینی دہانی کو بڑی حد تک پورا نہیں کیا گیا ہے۔

گزشتہ دہائی کے دوران میڈیا میں تیزی سے ایسے چند صحافیوں کو فائدہ پہنچایا ہے جو اعلیٰ عوامی پروفائل کے مالک تھے۔ لیکن صحافیوں کی اکثریت کو غیر تسلی بخش ادائیگی کی جاتی ہے اور وہ اب بھی روزگار کے لحاظ سے غیر محفوظ ہیں۔ خاص طور پر گزشتہ تین سالوں کے دوران متعدد میڈیا ہاؤسز میں باقاعدگی سے تنخواہوں کی ادائیگی قصہ پارینہ بن گئی ہے کیونکہ ان میڈیا ہاؤسز کو مسلسل اشتہار بازی کے اخراجات کے سکڑاؤ اور اقتصادی سست روی کے نتائج کا سامنا ہے۔

پی ایف یو جے کو اس وقت ایک نمایاں فتح حاصل ہوئی جب 2012ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے اس کو قانونی اجرت کے پیمانہ کے نفاذ کی ذمہ داری سونپی کہ وہ خبر کی صنعت میں عمل درآمد کی سطح کی رپورٹ پیش کرے۔ مارچ 2012ء میں چیف جسٹس آف پاکستان کی سربراہی میں تین رکنی بنچ نے اس کیس کی سماعت شروع کی۔ پی ایف یو جے کے دلائل کی روشنی میں بنچ نے اخباری ملازمین کیلئے عملدرآمد ٹریبونل کے چیئرپرسن ناصر حسین حیدری کو سمن جاری کیا کہ وہ عدالت میں پیش ہو کر صورتحال کی وضاحت کرے۔ پاکستان کی عدالت عظمیٰ کی فعال دلچسپی کی وجہ سے صحافیوں کو بڑا فائدہ ہوا۔

مئی 2011ء کو سندھ ہائی کورٹ کراچی بنچ نے اے پی این ایس اور ہیرالڈ میڈیا گروپ کی دائر کردہ ایک جیسی پٹیشنز کو مسترد کر دیا جس میں صحافیوں اور اخباری کارکنوں کیلئے 2000ء میں اعلان کردہ ساتویں ویج ایوارڈ ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل داخل کی گئی جس نے ساتویں ویج ایوارڈ کے نفاذ کے خلاف عارضی حکم امتناعی جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ جولائی 2011ء کو چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے روبرو کیس کی سماعت کے دوران اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ سیٹھ (اخباری مالکان) ویج ایوارڈ کو کیوں نافذ نہیں کرنا چاہیے؟ حالانکہ ''ملازمین'' کسی بھی صنعت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اکتوبر 2011ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے NECOSA کی آئینی موزونیت کو برقرار رکھا جس کے تحت ساتویں ویج ایوارڈ کا تعین کر دیا گیا تھا۔ چیف جسٹس کا تحریر کردہ 75 صفحات پر مشتمل فیصلے میں عدالت نے قرار دیا کہ ''25 اکتوبر 2011ء کا ساتواں ویج ایوارڈ'' اس وقت تک لاگو رہے گا جب تک ایکٹ کے سیکشن (2)11 میں طے کردہ طریقہ کار میں بعد ازاں بورڈ کی جانب سے ترمیم یا تبدیلی نہیں کی جاتی۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد کئی اخباری گروپوں نے ساتویں ویج ایوارڈ کا نفاذ شروع کر دیا۔ بعض اخباری گروپوں نے صحافیوں کے دیگر الاؤنسز واپس لیتے ہوئے مالی فوائد کو بے اثر کرنے کی کوشش کی۔ اخباری مالکان ایوارڈ کے نفاذ پر ایک دہائی کے تعطل کے خاتمہ کے بعد صحافیوں سے گفت و شنید پر بھی تیار ہو گئے۔ آٹھواں ویج ایوارڈ کافی عرصہ پہلے سے صحافیوں پر لاگو ہو چکا ہے۔

سفارشات

پاکستان میں صحافیوں کو درپیش کئی گنا مسائل انتہائی پیچیدہ اور اندرونی طور پر وسیع تر سماجی، ثقافتی اور اقتصادی عوام سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان مسائل پر قابو پانے کیلئے صحافیوں کی عالمی برادری اور آزادی صحافت کے علمبرداروں کو مسلسل اور فوری کوششیں کرنے کی ضرورت ہے لیکن بہت سی صورتوں میں ان کا حل نکل سکتا ہے۔ اس لیے سفارش کی جاتی ہے کہ مندرجہ ذیل اقدامات اٹھائے جائیں۔

میڈیا، ترقیاتی پروگراموں کو صحافت کے موجودہ اداروں کو مضبوط کرنا ضروری ہے

جہاں کہیں ممکن ہو ملک کے میڈیا اداروں کے ذریعے صحافیوں کو کام میں شریک کیا جائے۔ پی ایف یو جے اور پریس کلب جیسے اداروں کا وسیع نیٹ ورک ہے۔ یہ یکجہتی اور حمایت کی فراہمی کے علاوہ محفوظ گھر اور حفاظتی ڈھانچہ کیلئے مقامات اور فورمز میں تعاون فراہم کر سکتے ہیں۔ ان نیٹ ورکس کو تعاون کی ضرورت ہے تاکہ ان کو مضبوط کیا جائے۔ خاص کر ان نیٹ ورکس میں کام کرنے والے سرگرم کارکنوں کو جو بذات خود انتہا پسندوں کا ٹارگٹ بنے ہیں۔ تعاون میں استعداد کار میں بہتری اور ڈونرز کی جانب سے موجود نیٹ ورکس کے ساتھ کام کرنے اور منصوبوں پر عملدرآمد کے عزم کا اعادہ شامل ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ نئے نیٹ ورک تخلیق کریں جس سے پہلے سے کام کرنے والے نیٹ ورک کمزور ہو جائیں گے۔

استعداد کار میں اضافہ/تربیت

- ☆ تربیت۔ اس حوالے سے پہلی ہی بہت کام کیا جا چکا ہے تاہم زیادہ قوت خطرے میں گرے صحافیوں تک رسائی اور ان کی مختلف ضروریات پر تربیت کیلئے صرف کی جائے۔
- ☆ ملک کے دور دراز اور خطرناک علاقوں میں کام کرنے والے صحافیوں کی تربیت کیلئے سیفٹی ورکشاپس موثر ثابت ہوئے ہیں ان کو نہ صرف جاری رہنا چاہیئے بلکہ دوسرے اضلاع اور علاقوں تک توسیع دی جائے۔
- ☆ پاکستان کے دور دراز اور دیہی اضلاع میں کام کرنے والے نامہ نگاروں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کیلئے زیادہ کام کی ضرورت ہے تاکہ رپورٹرز کو عدم ادائیگی اور میڈیا مالکان کے پاس سیکورٹی کی مد میں رقم جمع کرنے کے عمل کو یکسر ختم کر دیا جائے۔ مزید برآں یونین کی عمارت اور صلاحیت میں اضافہ کو مستقبل کے کسی بھی سیفٹی تربیتی ورکشاپ میں کنسرٹ کی صورت میں عملی جامہ پہنایا جائے۔

صحافت کے ذریعے انصاف

☆ صحافی اور صحافتی تنظیمیں تحقیقات کر سکتی ہیں اور کرنی چاہیئے اور نتیجتاً انفرادی کیسز کے اردگرد حقائق کی تشہیر کریں۔ بعض ممالک میں (جہاں قانون اجازت دیتا ہے) یہ عمل براہ راست ملزموں کو سزا دلوانے تک لے جاتا ہے۔ پاکستان میں پی ایف یو جے مختلف نوعیت کے

16 کیسوں کے اندراج کی تیاری کر رہا ہے۔ اسی طرح فلپائن میں این یو جے پی اور دیگر گروپوں نے مواد اکٹھا اور متاثرہ خاندانوں کو مقدمات درج کرنے میں مدد فراہم کی۔ مثال کے طور پر سلیم شہزاد کے کیس میں تفصیلی تحقیقات ہوئی اور حفاظتی تحقیقات کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی جن میں اس کیس کی عالمی تحقیقات پر مبنی رپورٹس بھی شامل ہیں۔

ایڈوکیسی

- ☆ صحافی کا تحفظ صحیح لوگوں سے متعلق ہو نہ کہ صرف اعداد و شمار کو بیان کیا جائے۔ مانیٹرنگ' کولیشن اور فالواپ پر کام کرنا بہت اہم ہے۔
- ☆ مختلف علاقوں میں بحران کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کو ملکی سطح کے وسیع تر تناظر میں یقینی بنانے کیلئے موجود نیٹ ورکس کے مطابق کام کرنے کی ضرورت ہے۔
- ☆ عدالتی عمل اور وکلاء برادری کے ساتھ باہمی راوبط کیلئے بہتر حکمت عملی کی ضرورت ہے تا کہ ملزموں کو سزا سے بچانے کے عمل کے تدارک کیلئے قومی اور عالمی مہمات کو تیز اور قانونی نمائندگی اور مشورہ طلب کرنے والے صحافیوں کی مدد کی جائے۔
- ☆ بڑی سیاسی جماعتوں کے ساتھ قریبی رابطہ رکھا جائے اور ان کی جانب سے صحافیوں کو ہراساں یا دھمکیاں نہ دینے کی یقینی دہانی اور وعدے لیے جائیں۔ جہاں تک ممکن ہو غیر ریاستی عناصر تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔
- ☆ پی ایف یو جے اور ان کے حامیوں کے عالمی نیٹ ورک کو ساتویں ویج ایوارڈ کے مکمل نفاذ کیلئے قانونی مہم جاری رکھنی چاہیئے۔
- ☆ بلوچستان' خیبر پختونخوا اور فاٹا کے بالخصوص انتہائی خطرناک علاقوں میں کام کرنے والے صحافیوں کو مناسب حفاظتی تربیت اور آلات کی فراہمی کیلئے میڈیا مالکان پر مسلسل دباؤ کو جاری رکھا جائے۔
- ☆ سب سے بڑھ کر یہ کہ پاکستان کے دور دراز اور خطرناک اضلاع میں کام کرنے والے صحافیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کی بڑی ضرورت ہے۔ بس وہ لوگ جو آزادی صحافت کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کریں انہیں یہ معلوم ہو سکے کہ ملک میں صحافیوں کی جدوجہد میں عالمی کمیونٹی اور آزادی صحافت کے علمبرداران کے شانہ بشانہ ہیں۔

نیوز روم میں اقلیتوں اور خواتین کیلئے احترام

- ☆ صحافیوں کیلئے احترام نیوز روم میں شروع ہوتا ہے' خاص کر خواتین کو اپنے تحفظ کے حوالے سے مخصوص مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنا پورے جنوبی ایشیاء میں ایک سنجیدہ مسئلہ بن گیا ہے اور ایک محفوظ کام کرنے کے ماحول کے قیام کیلئے کوششوں کی ضرورت ہے۔ آئی ایف جے اور ساؤتھ ایشیاء میڈیا سالیڈرٹی نیٹ ورک (ایس اے ایم ایس این) جنوبی ایشیاء میں اس مسئلہ کے ازالہ کیلئے خواتین صحافیوں کی سیفٹی کیلئے ایک منصوبہ شروع کرنے والی ہے۔

فنڈ نگ

☆ خطرے کا شکار صحافیوں' ان کے خاندانوں اور گواہوں کی معاونت کیلئے ہنگامی سیفٹی تعاون ایک بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور اس کو جاری رہنا چاہیئے' بنیادی طور پر اگرچہ یہ حکومت اور میڈیا مالکان کی ذمہ داری ہے۔ ڈونرز کو براہ راست مالی معاونت کی فراہمی میں اضافے کیلئے راہیں تلاش کرنی چاہئیں اور صحافیوں کو بھی متاثرہ خاندانوں کی مدد کیلئے باہم ملکر کام کرنا چاہیئے۔

☆ سابقہ آئی ایف جے کے منصوبوں پر کام جاری رہنا چاہیئے اور عالمی ڈونرز کی جانب سے نئے حمایت سے اس کو توسیع دی جانی چاہیئے۔

دستاویزی شکل دینا

☆ موجودہ نیٹ ورک کی مضبوطی کیلئے کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مختلف علاقوں میں بحران کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کو ملک کے وسیع تناظر میں یقینی بنایا جاسکے۔ فیڈریشن آف نیپالیز جرنلسٹس کی جانب سے سول وار کے دوران قائم کردہ مانیٹرنگ نیٹ ورک ایک مثالی ماڈل ہے۔

☆ عالمی سطح پر رائج بہترین پریکٹس ماڈلز پر غور کیا جانا چاہیئے۔ مثال کے طور پر فلپائن کے سیفٹی دفاتر نے صحافیوں کے کام پر نمایاں اثرات مرتب کیے ہیں جس کے تحت جنوبی فلپائن میں مختلف کیسوں کی مانیٹرنگ کی گئی۔ ہمیں بلوچستان' کے پی اور فاٹا کے انتہائی خطرناک علاقوں میں سیفٹی دفاتر کو فنڈز کی فراہمی کے معاملہ کو زیرغور لانا چاہیئے۔

خاندانوں کی دیکھ بھال

بنیادی طور پر صحافیوں کے متاثرہ خاندانوں کی دیکھ بھال حکومت اور میڈیا مالکان کی ذمہ داری ہے تاہم صحافیوں کو بھی ان خاندانوں کی قانونی اور مالی معاونت کیلئے مل جل کر کام کرنا چاہیئے۔ مثال کے طور پر فلپائن میں آئی ایف جے' فلپائن کے نیشنل یونین آف جرنلسٹس کے ساتھ ملکر قتل ہونے والے صحافیوں کے تقریباً ایک سو بچوں کے تعلیمی اخراجات کی ادائیگی کیلئے سکالرشپ فنڈ چلا رہا ہے۔ اس سکالرشپ فنڈ کو آسٹریلیا' نیوزی لینڈ اور ملک کے اندر کام کرنے والے صحافی عطیات کی فراہمی کی صورت میں سپورٹ کررہے ہیں۔ اسی طرح نیپال میں' آئی ایف جے' نیپال چلڈرن ایجوکیشن فنڈ (جس کو آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے صحافیوں کا تعاون بھی حاصل ہے) کے اشتراک سے مارے جانیوالے صحافیوں کے 23 بچوں کے تعلیمی اخراجات پورے کررہے ہیں۔

ایڈووکیسی اور مکالمہ

☆ سیاسی۔ بڑی سیاسی جماعتوں کے ساتھ قریبی رابطہ رکھ کر ان سے صحافیوں کو ہراساں یا دھمکیاں نہ دینے کی کمٹمنٹ حاصل کرنا۔

☆ ممکنہ حد تک غیر ریاستی عناصر اور صحافیوں کو دھمکیاں دینے والے گروپوں تک رسائی حاصل کی جائے۔

آجروں (مالکان) کے ساتھ کام کرنا

☆ آجروں کو اپنے کارکن صحافیوں کے ساتھ وابستگی کا مظاہرہ اور عزم کرنا چاہیئے کیونکہ اس کی کسی دوسرے سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ آجروں کے ساتھ ایسے پروگرام رکھے جائیں جس کے ذریعے ان کی وابستگی حاصل کرنے میں مدد ملے اور یہ کہ وہ ملزموں کو سزا سے استثنیٰ کے خلاف جدوجہد اور کام کیلئے مناسب ماحول کی فراہمی میں ان کے ساتھ تعاون کریں۔

☆ سزا سے استثنیٰ کے خلاف مزاحمت گھر سے شروع ہوتی ہے۔ اگر آجر اپنے ملازم صحافیوں کا احترام نہیں کریں گے تو پھر ہم کسی دوسرے سے اس کی توقع کیسے کر سکتے ہیں۔ صحافیوں کا احترام اور ملزموں کے خلاف تحقیقات میں تعاون کا مطلب ویجز بورڈ کا احترام' نیوز روم میں تعاون پر مبنی ماحول کی تخلیق' صحافیوں کو ملازمین نہ کہ ٹھیکیدار تسلیم کرنا اور ہلاک ہونے والے صحافیوں کے ورثاء کے حوالے سے ذمہ داریوں کی قبولیت ہے اور دیگر سٹیک ہولڈرز کے ساتھ بات چیت کے ذریعے بحران کا سامنا کرنا۔

اختتام

یہ رپورٹ پاکستان میں صحافت کی آزادی کی تحقیقات کرنے والے عالمی مشن کا نتیجہ ہے جو بطور صحافی کام کرنے کیلئے انتہائی خطرناک ملک گردانا جاتا ہے۔ مارچ 2013ء میں عالمی فیڈریشن آف جرنلسٹس (آئی ایف جے) اور اس حامیوں کی نمائندگی کرنے والے سینئر صحافیوں اور آزادی صحافت کے علمبرداروں کے ایک وفد نے پاکستان کے صوبوں بلوچستان، سندھ، پنجاب، خیبر پختونخوا اور فاٹا کا دورہ کیا۔ مشن نے 5 مارچ کو قومی اجلاس کے دوران اپنے دوروں کے نتائج سے اخذ کیا کہ صحافیوں کیلئے پیشہ ورانہ ماحول میں خطرناک حد تک ابتری کی جانب توجہ مبذول اور ہنگامی بنیادوں پر اس کے ازالہ کا مطالبہ کیا جائے۔ یہ مشن 2012ء میں دورہ کرنیوالے فیکٹ فائیڈنگ مشن کا فالواپ تھا۔ جس نے پاکستان میں تشدد اور استثنیٰ کے کلچر سمیت تشویش کے کئی اہم مقامات کی نشاندہی کی تھی۔ یہ رپورٹ ہر علاقے میں صحافیوں کو درپیش مشکلات کا تجزیہ کرتی ہے جس میں تشویش کے بنیادی مقامات اور مشترکات کی نشاندہی کی گئی ہے تاکہ ان کے ازالہ کیلئے مستقبل کے منصوبہ اور ایڈوکیسی ورک کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔ اس کے علاوہ اس رپورٹ میں جامع سفارشات پیش کی گئی ہیں کہ صحافیوں کو درپیش مسائل پر قابو پانے کیلئے صحافیوں کی عالمی کمیونٹی اور آزادی صحافت کے علمبرداروں کو فوری اور مسلسل کوششوں کو یقینی بنانے کی ضرورت ہے۔